Regd No. L 981

FORTNIGHTLY

TAMEER-E-HAYAT

Dated 1943

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کی تازہ پیشکش

صدر یار جنگ

مقدمہ :- حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

تالیف :- مولانا شمس نوید عثمانی

صدر الصدور مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی بیک وقت ایک جید عالم دین، حضرت لالا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے مسترشد، سلطنت آصفیہ حیدر آباد کے صدر الصدور اور خاندانی رئیس تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ندوۃ العلما لکھنؤ اور دار المصنفین اعظم گڈھ کی عظیم تحریکات سے تاحیات وابستہ رہے۔ اس کتاب میں ان اداروں کا مختصر تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ یہ سوانح نئی تاریخ کی ایک اہم کڑی اور ایک قومی ضرورت کی تکمیل ہے۔ نیز نواب صاحب کے علمی، ادبی کمالات اور ان کے اسلوب تحریر پر سیر حاصل تبصرہ ہے ——— کتاب نہایت دلچسپ، معلومات افزا اور سبق آموز ہے۔

کتابت و طباعت اعلیٰ ✧ سائز ۲۰×۳۰ ✧ صفحات ۵۰۰

بہترین ڈسٹ کور ——— قیمت صرف بارہ روپے

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ملنے کا پتہ

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press, Lucknow

تعمیر حیات

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

انتظار کس بات کا ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات چیزوں سے پہلے اچھے اعمال میں جلدی کرو اگر ایسا نہیں کرتے تو ایسے فقر کا انتظار کرتے رہو جو بھلا دینے والا ہو یا ایسی دولت کا جو سرکش بنا دینے والی ہو یا ایسے مرض کا جو بگاڑ دینے والا ہو یا ایسے بڑھاپے کا جو سٹھیا دینے والا ہو یا ایسی موت کا جو کام تمام کر دینے والی ہو یا دجال کا جو نہایت بری غیر موجود چیز ہے جس کا انتظار کیا جائے یا قیامت کا۔ پس قیامت بہت سخت اور نہایت کڑوی چیز ہے۔ (ترمذی)

٤ صفر ١٣٩٣ھ
مطابق
١٠ — مارچ ١٩٧٣ء

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ قیمت فی پرچہ ٣٥ پیسے

تعمیر حیات لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

چندہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ روپے
فی پرچہ ۳۵ پیسے

جلد (۱۰) شمارہ (۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لازوال امامت اور عالمگیر دعوت

از ـــــــــ مولانا ابو الحسن علی ندوی

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے لازوال امامت، لافانی دعوت اور بقائے دوام کا فیصلہ فرمایا ہے، ان کی نسل میں اس نے نبوت، ولایت اور دینی رہنمائی کا منصب رفیع ہمیشہ کے لئے رکھدیا ہے، ان کے پورے خاندان پر، بلکہ ان کے ہر مہمان پر حق کے لئے جہاد، باطل کا مقابلہ خدا کی طرف دعوت اور ہر طرح کی تند و تیز ہواؤں اور مستاظم موجوں میں سفینۂ انسانیت کو پار لگانے کی ذمہ داری ہے، ان کا فرض ہے کہ حق کے اس چراغ کو کسی حال میں بھی بجھنے نہ دیں، یہ وہ بنیادی اور تعمیری محرک (FACTOR) ہے جو انسانیت کی فلاح، تخریب سے اس کی حفاظت اور جہنم سے نجات کے لئے کارفرما ہے اسلئے آج ہماری دعوت اور صدا وہی ہونی چاہئے، جو اپنے عہد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لگائی تھی، اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے سند قبول دی ہے

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (الزخرف ۲۸)

اور یہی بات (ابراہیم) اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گئے شاید وہ رجوع رہیں۔

یہ ابراہیمی، تمدنی دعوت، بت پرستی اور شرک کی ضد اور اس کی ہر قسم، اور ہر رنگ سے ناآشنا ہے وہ اس کے کسی شعبہ اور گوشہ یا شکل اور صورت کی روادار نہیں، افراد و اقوام کو سب سے بڑی وصیت اور نصیحت یہی ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ (الحج ۳۰-۳۱)

پس بچو رجو بتوں کی گندگی سے اور بچو ہر جھوٹی بات سے صرف ایک خدا کے ہو کر اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔

یہ دعوت، ہوس پرستی، دنیا کے حقیر دنیاوی جھگڑوں کی طمع، مادیت سے عشق، اور کسی دشمنی کی کشمکش سے بالکل نا آشنا ہے، اس کا اصول اور عقیدہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝

یہ عالم آخرت ہم انھیں لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا، اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔

یہ دعوت ہے جو انسان اور انسان میں، اور وطن اور وطن میں کوئی فرق روا نہیں رکھتی۔ اور رنگ، نسل، اور زبان کے معاملہ میں کوئی جانبداری نہیں برتتی، اور نہ کسی جارحیت (AGGRESSION) کی روادار ہے اس کے نزدیک رنگ، نسل، زبان اور کلچر کی بنا پر کسی انسان کا کسی انسان سے نفرت کرنا، اس کی جان و عزت کے درپے ہونا، اس کے لئے ظلم و دغا کی کو روا رکھنا، بت پرستی ہی کی ایک قسم، جاہلیت کا نشان اور غداری اور درندہ صفت دہریت کی یادگار ہے۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ۝

جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی اور ضد بھی جاہلیت کی۔ (الفتح - ۲۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

میرے بعد بالکل کافر بھی نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن بے تکلف مارنے لگو۔

اس کے نزدیک سارے انسان آدم کی اولاد ہیں، اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے کسی عرب کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں مگر صرف تقویٰ کی بنیاد پر

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۝

(الحجرات - ۱۳)

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو پرہیزگار ہے۔

خاتم الانبیا حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت پر مرا وہ ہم میں سے نہیں، آپ نے ایک موقعہ پر جب بعض لوگ انصار اور مہاجرین کے

قرآن کا پیام

(از: مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی)

وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝ وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا ۖ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا بردبار ہے، یہ سب خداوندی ضابطے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی (پوری) اطاعت کرے گا اللہ اسے (بہشت) کے باغوں میں داخل کریگا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا اور اس کے ضابطوں کے حدود سے باہر نکل جائے گا اسے وہ دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا، جس وہ ہمیشہ بسیں بڑا رہے گا اور اسے ذلت دینے والا عذاب ہوگا اور تمھاری عورتوں میں سے جو بیحیائی کا کام کریں ان پر چار (مرد) اپنے میں سے گواہ کرلو، سو گر وہ گواہی دیدیں تو ان (عورتوں) کو گھروں کے اندر بند رکھو یہانتک کہ موت ان کا خاتمہ کردے یا اللہ ان کے لئے کوئی راہ نکالدیں اور تم میں سے کوئی دو جو وہ کام کریں انھیں اذیت پہونچاؤ پھر اگر دونوں توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے تعرض نہ کرو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے

ختم کے قریب پھر یاد دلا دیا کہ یہ سارا قانون میراث شریعت کے دوسرے حکم کی طرح حاکم مطلق اور حکیم برحق کا نازل کیا ہوا ہے، کسی انسانی مقنن و مدبر کا سوچا ہوا، کسی کونسل کمیٹی، مجلس کا وضع کیا ہوا نہیں، خامیوں سے پاک ہوا اور کامل اس میں ترمیم ہونے سکے۔

چند جملے کامل کی ثنا پر وہ خوب واقف ہے کہ کون اس قانون پر عامل ہے اور کون اس سے منحرف۔ اور حلیم کامل کے اقتضاء سے بہت جلد مجرموں کی گرفت وہ فوراً نہیں کرتا۔

(جنھیں بڑا سمجھنا خود اپنے کو خدائی عدالت میں مجرم بنانا ہے)

تلک حدود اللہ۔ یہ وہ ان تمام احکام کی جانب ہے جو حدبندیوں اور وصیتوں اور ترک کے باب میں ابھی گذر چکے ہیں۔

اور یہ خود عظیم جس اطاعت کامل پر مشروط ہے اس کا تعلق اسی قانون میراث کی پابندی میں آگئی۔

یطع اللہ و رسولہ۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مراد ہے اس قانون کی پابندی ہے جو اللہ کا اتارا ہوا اور رسول کا لایا ہوا ہے۔ خدائی قانون کی تشریح کار رسول کی کی ہوئی بھی اس حکم میں داخل ہے۔

یہ عذاب دائمی بھی ہوگا اور معذب کے حق میں ذلت آمیز بھی، اس عذاب کے مورد کافر ہی ہوں گے۔

یتعد حدودہ۔ یعنی حد سے اس قید باہر نکل جائے کہ ان احکام کے احکام الٰہی ہونے ہی سے انکار کردے۔

و من یعص اللہ میں معصیت سے مراد: معصیت کفر و شرک ہے۔

احکام میراث کے خاتمہ پر ایسی شدید وعید کا آنا اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ کے ہاں ان احکام کی عظمت و اہمیت کس درجہ ہے۔

اور صحیح نبوی میں اور بھی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

احکام ظاہری فقہی کو حقیر سمجھنے والے کاش ان حقیقتوں پر نظر رکھیں۔

یعنی زنا کے مرتکب ہوں

الفاحشۃ۔ فاحشہ قولی و فعلی ہر بڑی برائی کے لئے عام ہے۔

کنایہ زنا سے بھی ہے۔

اور یہاں یہی مراد لی گئی ہے۔

نساء کم۔ نساء ہر عورت کے لئے عام ہے، یہاں مراد بیاہی ہیں۔

زنا کی ایک سزا ابتدائے اسلام میں عرصہ دراز تک یہ رہی تھی۔

اربعۃ منکم۔ اور چھ اول تو نصاب شہادت اس معاملہ میں دوگنا ہے۔ جہاں مسلمان مرد یا عورت کی عورت کا سوال ہے گواہوں کی تعداد بجائے دو کے چار ہونا چاہئے اور پھر یہ چار دوں۔

(۱) مسلم ہوں (۲) آزاد ہوں (۳) عاقل ہوں، فاقد العقل نہ ہوں (۴) بالغ ہوں، نابالغ نہ ہوں (۵) گواہی چشم دید دیں، سماعی یا قیاسی شہادت بگھار ان کا یہاں دخل نہیں۔

فامسکوھن۔ یہ قید حکام یا اہل حل و عقد کے حکم سے ہونا چاہئے۔

فامسکوھن فی البیوت۔ یعنی گھر دل کے اندر انھیں قید یا نظر بند کردو۔ بعض ظالموں نے جو اس سے پردہ مراد لیا ہے اس نے اپنی عقل و فہم پر ظلم ہے۔

اپنے رسول پر وحی کے ذریعہ سے

فقرہ خود اس پر دلالت کر رہا ہے کہ گھروں کے اندر دائمی نظر بندی کی سزا عارضی تھی اور آئندہ کوئی دوسری سزا تجویز ہونے والی ہے چنانچہ کچھ روز بعد سورۃ النور میں قرآن ہی کی زبان سے دوسری سزا تجویز ہوئی یعنی زانی مرد۔

اور زانی عورت دونوں کے لئے تو سو تازیانے اور صنف رسول نے ان کی مزید تشریح یہ کی کہ یہ سزا زنا محض کی ہے۔ اور جب اور کتاب زنا سے حق خونریزی کا بھی اتلاف ہو رہا ہے۔ یعنی عورت

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

مشرقِ اوسط کی ڈائری

دوبارہ مصر میں

قسط (۲۰)

از ۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
ترجمہ ۔ شمس الحق ندوی

۱۷/۹/۷۰ھ مطابق ۲۲/۶/۵۱ء

مصر کی طرف لوٹنے کی خوشی :۔ ہم نے اشتیاق بھرے دلوں اور کھلی ہوئی نگاہوں سے مصر کا اس طرح استقبال کیا جیسے ہم اپنے محبوب وطن کا استقبال کر رہے ہوں اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں ہمارے احباب موجود تھے ہم یہاں رہ چکے تھے ایک سبب یہ بھی تھا کہ سفر کی منزلوں میں سے ایک ایسی منزل ختم ہوئی جو شاید سب سے زیادہ مشکل و دشوار تھی ، دمشق سے ہم لوگ ازہر کی طرف روانہ ہوئے جہاں اپنے دوست شیخ عبداللہ کابلی کی قیامگاہ افغانی دار الاقامہ میں ٹھہرے ، یہاں معلوم ہوا کہ برادران عزیز مولوی عبدالرشید صاحب چند دنوں پہلے حجاز جا چکے ہیں ۔

عجیب احساس :۔ اشتیاق تازہ ہو گیا اب اس شہر میں جہاں ہم نے کئی مہینے گزارے تھے تنہائی و اجنبیت محسوس ہوئی بقول شاعر : کان لم یکن بین الحجون الی الصفا انیس ولم یسمر بمکۃ سامر ....

جیسے حجون اور صفا کے درمیان (شہر مکہ کے دونوں رخ کے آخری نقطے) کوئی دوست و ہمراز ہی نہیں تھا مکہ میں رات کی کوئی محفل جمی ہی نہیں ، ازہر کی سمت نگاہ پھیرتا ہوں تو وہ نمازیوں سے بھرا نظر آتا ہے مگر کوئی شناسا نہیں دکھائی دیتا ۔ بس ایک محمد امین سے ملاقات ہوئی وہ بڑی گرمجوشی سے ملے اور بہت خوش ہوئے ۔ اس کے بعد ہم نے برادرم محمد عبدالغنی اور شیخ ریاض الدین فاروقی سے ملنے کے لئے عبدالغنی کے گھر کا رخ کیا ، وہ دونوں حضرات اتفاقاً مکہ سے جمعہ کو ... ہم لوگ ان دونوں کے ساتھ حاجی عبدالغنی کے گھر گئے اور ایک گھنٹہ بیٹھے محمد عبدالغنی صاحب نے آج ہم کو افطار پر بلایا ہم نے ان سے اس کا وعدہ کر لیا ، یہاں سے ہم لوگ بھائی حسین الشریف سے ملنے کے لئے شامیوں کے دار الاقامہ گئے ، پہونچے تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے گاؤں چلے گئے ہیں تھوڑی دیر سوریہ کے احباب میں بیٹھے پھر اپنی قیام گاہ واپس آ گئے ، تھوڑا سا آرام کیا پھر جنرل گئے جہاں برلمان ہوٹل میں الحاج اسحاق دہلوی سے ملے معلوم ہوا کہ اسمٰعیل دہلوی مکہ معظمہ جا چکے ہیں ۔ اس کے بعد محمد عبدالغنی کے پاس لوٹے اور ان ہی کے یہاں ہندوستانی طرز کی افطاری کی اور ہندوستانی کھانا کھایا یہاں سے فارغ ہو کر ہم اپنے کرم دوست شیخ احمد الشرباصی کے گھر مختلف اسلامی داعیات الخلیفہ الجدید گئے ہمیں اندیشہ تھا کہ وہ نہ ملیں گے لیکن وہ مل گئے تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھے پھر ان کے ساتھ نکلے ۔

شبان المسلمین کے مرکز عام میں :۔ ہم لوگ ان کے ساتھ جمعیۃ الشبان المسلمین کے مرکز عام گئے وہاں اچانک ہم کو غزوۂ بدر کی یادگار میں ہونے والے ایک جلسہ سے سابقہ پڑا ، یہاں ہم لوگ محمد صالح حرب پاشا مفتی امین الحسینی ، شیخ محمد صبری عابدین ، اور شیخ بشیر الطرازی سے ملے ان کو ہمارے مصر میں موجود ہونے پر تعجب ہوا ، ہم نے ان کو اپنے سفر سوڈان کی واپسی کی اطلاع دی تو انھوں نے بعافیت واپسی کی مبارکباد دی ڈرامہ میں حاضر ہوئے ، بالآخر ہم لوگ جمعیۃ سے واپس آ گئے ۔

۱۸/۹/۷۰ھ مطابق ۲۳/۶/۵۱ء

ہم لوگ الحاج جلال حسین کے دفتر گئے اور ہماری ڈاک موجود تھی جو خطوط جمع تھے ان کو لیا ۔ مجھے اس ڈاک کا شدید اشتیاق تھا ۔ گھر والوں اور ہندوستانی احباب کے حالات عرصہ سے نہ معلوم ہو سکے تھے ۔ اس ڈاک میں محترمہ والدہ صاحبہ کا خط ملا (اللہ ان کی عمر دراز کرے) (.......... انتقال فرمایا) گھر والوں ، بہنوں اور میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی کے بھی خطوط تھے میں نے نذر مانی تھی کہ جب ان لوگوں کے صحت و عافیت کی خوشخبری کا خط ملے گا تو چار رکعت نماز پڑھوں گا میں نے اپنی نذر پوری کی ۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے زیبا ہیں جس کی بزرگی و بڑائی سے اچھے کام پورے ہوتے ہیں ۔ ہم لوگ فارن آفس گئے جہاں قاہرہ میں اپنی آمد کا اندراج کرایا پھر سوریہ کے قنصل خانہ گئے اور ویزا میں توسیع کی درخواست کی اور اپنی قیامگاہ واپس آ گئے اور آرام کیا ۔

ازہر کے دفتر میں :۔ اس کے بعد ہم لوگ ازہر کے دفتر گئے جہاں شیخ احمد الشرباصی اور ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ سے ملے اور ان سے ان کی دعوت کے قبول کرنے کا امکان نہ ہونے کی معذرت کی اور ان کو ماذا خسر العالم کا تصحیح شدہ نسخہ دیا پھر شیخ محمود شلتوت کے دفتر گئے اور ان سے ملے ہم نے ان سے ان یادداشتوں کا ذکر کیا جو میں نے انھیں پیش کی تھیں ۔

بلاد اسلامیہ کے طلبہ افطار پر :۔ صدیق محترم شیخ لقمان ندوی کی افطار کی دعوت میں ہم لوگ جامع ازہر گئے وہاں بلاد اسلامیہ کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد نظر آئی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ وزارت شئون اجتماعیہ کے مہمان کی حیثیت سے روزہ یہاں افطار کرتے ہیں بڑا خوب منظر تھا یہ اسلامی اتحاد و اخوت کا ایک اچھا مظہر تھا ۔ مختلف ملکوں جنوں اور رنگ و نسل کے طلبہ پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے تھے ۔ لیکن ہمیں نظر آیا کہ خشوع و سکینہ کی فضا نہیں ہے حاضرین روزے کی عظمت رمضان کے احترام ، افطار کی گھڑی کے قریب ہونے کے فضائل کو نہیں محسوس کرتے کہ وہ ذکر میں مشغول رہتے یا سکون و وقار کے ساتھ بیٹھے بلکہ اس کے برعکس وہاں شور تھا ، ہم چیخ و پکار کی آوازیں سن رہے تھے یہ بات اسی اگر کسی چیز پر چلتا ہے تو وہ ہر دینی طلبہ کے دلوں میں اسلامی شریعت کے مذہبی جذبہ کی کمی ۔

۱۹/۹/۷۰ھ مطابق ۲۴/۶/۵۱ء

ہم لوگ مصری ہوائی اڈے میدان ابراہیم پاشا گئے اور سوموار کی صبح کو دمشق کے لئے پرواز کرنے والے جہاز میں دو سیٹیں ریزرو کرائیں ۔

اخوانی بھائیوں کے ساتھ :۔ بھائی حسین الشریف آئے اور ان کے ساتھ ہم لوگ بھائی عبداللہ العقیل کے گھر گئے جہاں اخوانی نوجوانوں کے ساتھ افطار و کھانا ہوا ، اور اس کے بعد ہم لوگ شارع شبرا کی طرف مرکز عمومی کے لئے روانہ ہو گئے ، شیخ سید سابق کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھی اور شیخ سابق و احباب کے مطالبہ پر میں نے تقریر کی ، اور استاذ عبدالعزیز کامل سے ملے ان سے ملے عرصہ ہو چکا تھا ، ملاقات کا اشتیاق تھا ہم لوگ ایک گھنٹے تک بیٹھے باتیں کرتے رہے ، استاذ صالح عشماوی اور ان کے بھائی ڈاکٹر خلیل عشماوی سے ملے ، بھائی عبدالفتح ساعی نے اپنے دمشقی احباب کے نام تعارف و مشورہ کے خطوط دیئے ۔ اس کا افسوس رہا کہ باقی احباب سے ملاقات نہ ہو سکی اس لئے کہ ان میں سے اکثر بدر کبریٰ اور غزوہ خندق کے جلسوں میں شرکت کے لئے شہروں کو چلے گئے تھے ۔ مثلاً استاذ عبدالحکیم عابدین استاذ سعید رمضان استاذ فرید عبدالخالق استاذ محمد الغزالی ۔ تو رمضان سے پہلے ہی سفر کر چکے تھے ۔ مجھے اس کا افسوس رہا تھا کہ ہمارا سفر دمشق جیسا کہ طے ہو چکا ہے ، ہوائی جہاز سے ہوگا اور اسکندریہ نہ دیکھ سکوں گا ۔ اس سے قبل ہم نے بیروت کا سفر اسکندریہ کے راستے سے بذریعہ جہاز طے کیا تھا ۔ مگر اس کے بعد ہم نے رمضان میں آرام اور وقت بچانے کے خیال سے ہوائی سفر کو ترجیح دیا ۔

اسکندریہ جانا مختلف وجوہ کی بنا پر اہم ہے بعض بڑے اخوانی بھائیوں نے ہم کو اسکندریہ آنے کی دعوت دی تھی لیکن سفر ٹلتا رہا حتیٰ کہ اس کا وقت نکل گیا ۔ ہو سکتا ہے کہ مصر کے دوسرے پایۂ تخت کی سیر دوسرے سفر میں مقدر ہو ۔

مصر کو الوداع :۔ تقریباً نصف سال رہنے کے بعد اب ہم مصر چھوڑ رہے ہیں ، جو بہت عزیز ہے یہاں کا قیام بڑا پر لطف رہا لہٰذا جدائی بہت شاق ہوئی ہم جب مصر آئے تو مہینہ دو مہینہ سے زیادہ ٹھہرنے کا اندازہ نہ تھا مگر ہوا یہ کہ ہم مدت قیام کو بڑھاتے اور سفر میں تساہل اور لیت و لعل کرتے رہے یہاں تک کہ قیام ۵ ماہ سے بڑھ گیا ۔ اگر مصر آنے کے وقت ہم سے کہا جاتا کہ ہم کو مصر میں تقریباً چھ ماہ رہنا ہے تو ہمیں یہ گوارہ نہ ہوتا اور ہم بڑے شدومد سے انکار کرتے ہمارے سامنے مشرق اوسط کا طویل سفر تھا ۔ اگر ہم صحیح طرح حساب لگاتے تو مصر کے لئے صرف چند ہفتے نکل سکتے تھے مگر ہم اپنے ارادے میں مغلوب ہو گئے اور مصر کے بارے میں زیادہ قانون نہیں برتا بس چلنے دیا ۔ یہاں کے قیام کو میں نے فیتے سے نہیں ناپا ۔ محبوب کا یہی معاملہ ہے وہ اپنے حصہ سے زیادہ لے لیتا ہے ۔ دنیا کی ہر چیز ریاضی کے اصولوں کے تابع نہیں ، یہ اچھا ہی ہے کہ ایسا نہیں ہے اگر زندگی پر ریاضی ہی کی درست رس ہوتی تو زندگانی بڑی تنگ ہو جاتی ۔ وہ اس سے بد دل ہو جاتے اور زندگی بے جان مشین بن کر رہ جاتی اس میں نہ کوئی جدت ہوتی نہ ندرت اور نہ ہی اس میں دلچسپی و تسکین قلب کے لئے سامان ہوتا لیکن ایسا بہت ہوتا ہے کہ جذبہ دل عقل و خرد کے تقاضوں سے باغی اور جذبات و خواہشات ضابطہ و قانون اور مقررہ نظام سے منحرف ہو جاتے ہیں ۔ اور یہ دونوں چیزیں مل کر دنیا میں زندگی دلنشیں پیدا کرتی ہیں ۔

مصر اپنے قدرتی حسن و جمال اور ترقی یافتہ شہر و تمدن کے باوجود ہمیں اس سفر کے بندھے ہوئے نظام سے ہٹا نہیں سکتا تھا ۔ نہ ہمارے دلوں میں کشش پیدا کر سکے اپنے حق سے زیادہ ہمیں وصول کر سکتا تھا اس لئے کہ ہم ایسے ملک میں پلے بڑھے جس میں ہمیشہ سے دلفریب قدرتی مناظر ، سحر آفریں جمال ، بہت زیادہ شادابی اور ترقی یافتہ تمدن ہے جس چیز نے ہم کو ہمارے بنائے نظام سے ہلا دیا اور ہم طویل قیام سے بچ نہ سکے وہ ایسے مخلص احباب کی موجودگی تھی جن کے دل ہمارے دل سے اور روحیں ہماری روح سے مل گئی تھیں گویا کہ ان کی ملاقات اور ملنے کا وقت مقرر تھا وہ ایسے احباب کی موجودگی تھی جنھوں نے اپنے لطف و محبت سے ہمارے دل میں گھر کر لیا اور سفر کی پریشانی اور پردیس کی وحشت کو بھلا دیا بلکہ پردیس کے احساس تک کو ختم کر دیا ۔ وہ پھولوں کی طرح کھلے ہوئے آنکھوں کی طرح امنڈتے ہوئے ، آگ کی چنگاریوں کی طرح ایمان سے بھڑکتے ہوئے دلوں کی موجودگی تھی انھوں نے ہم سے محبت کی وہ بہار اور ہم ان کے دلدادہ ہو گئے وہ ایسے جوانوں کی موجودگی تھی جو اپنے رب پر ایمان لے آئے اور اللہ نے ان کو ہدایت میں اضافہ کیا ، بس فرق یہ تھا کہ وہ غار سے نکلے اور شر کو چیلنج کیا باطل کے مقابلہ میں آئے اس کی طاقت سے لڑے وہ مضبوط دینی تحریک کا وجود اور قومی علمی سرگرمی کا وجود اور تیزی کے ساتھ نشر و اشاعت کا کام جو مصر کو عالم عربی کا مرکز اور بلا اختلاف مشرق اوسط کا مکتب بنائے اس کے لئے امامت و پیشوائی علمی ، عقلی رہنمائی ، انھیں چیزوں کے وجود نے ہم کو مصر میں ہم کو عرصہ تک رہنے پر مجبور کر دیا اور ہم نے جو نظام بنایا تھا اس کو ترک کرنے کو ہمارے لئے آسان و بہتر بنا دیا اسی چیز نے ہمارے سفر میں مصر کے حصہ کو بڑھا دیا ۔

سفر کے بعد کتنے ہی لوگوں نے یہ پوچھا کہ آپ کو مصر میں کیا پسند آیا اور کیا پسند نہیں آیا ۔ بلاشبہ سوال بڑا سخت تھا ۔ سوال نازک تو ضرور لیکن اہم اور مفید تھا لہٰذا اس مشکل کا سامنا ضروری اور جواب دینا امر لابدی تھا ، بہرکیف مصر میں جو بات ہمیں پسند آئی وہ وہاں کا نشاط اور زندگی ، علمی ادبی ماحول ، نشر و اشاعت کی زیادتی اور اس کی سرعت تھی ۔ عربی زبان کی طرف اس کی توجہ اس کو اپنانا اور اس بارے میں غیور ہونا ۔ اس کے لئے کد و کاوش کرنا ۔ عربی اور اسلامی مسائل میں وسیع نظر ہونا اور اس پر توجہ دینا ۔ دوسرے عرب ممالک کے مقابلہ میں یہاں ذہانت و بیداری کا پایا جاتا ہے ۔

اہل مصر کا حسن اخلاق ، کشادہ دلی ، سلامت طبع مسلمان مہمان کے ساتھ حسن سلوک اعزاز و اس کی ہمت افزائی اس کی صلاحیتوں کا اعتراف ایمانی و روحانی قوت ، لطافت ، شگفتگی کا کمیاب ہونا جلد مانوس ہونے اور دوستی کرنے علم سے شغف اور اس کے لئے جد و جہد ، مطالعہ کی طرف توجہ اور کتابوں کے جمع کرنے کا شوق یہ ایسی خصوصیات تھیں جو مجھے بہت پسند آئیں ۔

مصر کی جو بات مجھے پسند آئی اور مجھے ناگوار ہوئی اور میں اس کو تنقید کی نظر سے دیکھتا ہوں میں اسے اپنے دل سے جس نے مصر و مصریوں سے محبت کی صداقت کے ساتھ بے تکلف عرض کرتا ہوں وہ ہے معاشرہ میں گھٹیا تحریک و دلچسپی اور بڑی تعداد میں ایسے با اثر طبقہ کا وجود جو جنسی ادب کی تجارت کرتا ہے ۔ عزت و اخلاق کا سودا کر کے زندگی گزارتا ہے اور اسلامی مصر میں پوری عزت و آزادی کا مالک ہے مصر میں بہت سی سیاسی پارٹیوں کا وجود جن کے عقیدہ و نظریہ میں کوئی بڑا فرق نہیں ۔ ان میں باہم شدید اختلافات اور سادہ دل قوم سے سامان و جماعت کی طرح فائدہ اٹھانا مجھے بھی پسند نہیں آیا ۔

اسی طرح بہت سی انجمنوں اور کمیٹیوں کا وجود بھی پسند نہیں آیا ، جن میں بہت سی ایسی ہیں جن کا کوئی خاص پیغام و امتیازی دعوت نہیں ان میں سے بعض انجمنوں اور اس کے چلانے والوں کے ذاتی جوڑ توڑ جزئی اختلافات ایک دوسرے سے لڑنے اور اس کی وجہ سے دینی اخلاقی تعدد سے بے تاب ذکر جانے کو بھی میں نے ناپسند کیا ۔

میں نے مصر میں ایسے پڑھے لکھے طبقہ کی موجودگی کو ناپسند کیا جن کے ہاتھوں میں ملک کی باگ ڈور ہے اور وہ تعلیم و صحافت و ادب کے میدان میں چھائے ہوئے ہیں اس طبقہ کا ضمیر خاصہ ہو چکا ہے اس کی عقل بگڑ چکی ہے اسلام اس کی حلق کے نیچے نہیں اترتا اور وہ یہ نہیں مانتا کہ اسلام کا کوئی مستقبل ہے نہ ہی اس کا اسلام سے مخلصانہ تعلق ہے ۔ یہ وہ طبقہ ہے جس کو ہم نے ہندو پاک ، ترکی و ایران و عراق میں پایا یہ دراصل سابقہ تربیت اور اس تعلیم کی پیداوار ہے جس کو مغربی سامراجیوں نے بہت خوبی سے دیکھا تھا اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس کو اسلامی روح اور دینی تربیت سے خالی بنایا تھا ۔ یہ طبقہ عقیدہ و عظمت میں باہم دیگر ملتے جلتے ہیں اس لئے کہ ان سب کی تعلیم و تربیت کا سرچشمہ ایک ہی ہے

میں نے مصریوں کے معیار زندگی اور وسائل حیات اور امیری غریبی میں بہت زیادہ فرق کو ناپسند کیا ، فرق ہونے میں تو کوئی حرج نہیں ۔ لیکن فقراء کی ایک بہت بڑی تعداد کا ہونا جو نان شبینہ کے محتاج ہیں جن کے پاس جسم ڈھکنے کا کپڑا تک نہیں اور دوسری طرف ایک ہی ماحول و میدان میں ایسے ایسے لوگ ہیں جو مال کی فراوانی اور کھانے پینے میں تخمہ کے شکار ہیں ، اور انھیں ان غرباء کی زندگی پر ترس نہیں آتا ۔ ان کی حد سے بڑھی ہوئی غربت اور جان لیوا بھوک پر تسلی کا ایک لفظ بھی کہنا مشکل ہے وہ بچا کھچا بھی ان پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ، یہ ایسا فرق و امتیاز ہے جس کو نہ کوئی دین مانتا ہے اور نہ کوئی عقل و انصاف اسے گوارا کرتا ہے یہ زندگی ایسا ناقابل قبول ڈھانچہ ہے جو کسی طرح بقاء و دوام کا مستحق نہیں یہ بھی ایک چیز ہے جو خاص طور پر سابق بادشاہ و درباروں یورپین سامراجیوں کی دین ہیں ۔

میں دینی اصلاحی تحریکیں اور اسلامی بیداری کی امید رکھتا ہوں کہ وہ کمزوریوں اور اجتماعی بیماریوں کے ازالہ کی فکر و تدبیر کریں اس میں شک نہیں کہ مصر دینی ، اصلاحی تحریکوں سے معمور ہے اور عرب و اسلام کے لئے قیادت و رہنمائی کی بنیادی طاقت ہے ۔ خدا مصر کو اور اہل مصر کو سلامت رکھے ۔ مصر اور مصریوں کو اس مسافر و سیاح کا سلام جس کو اس اسلامی ملک میں وہ محبت و نوازش ، ضیافت و اکرام اور وہ سب کچھ نصیب ہوا جس کی ایک

مسلمان امید کرتا ہے ۔

قسط (۲)

ٹیکس اور زکوٰۃ کی فرضیت کی قانونی اساس

از استاذ یوسف القرضاوی

حضرت کے ذہن میں جو جدید چیز ہے انسان پیدا کرتا ہے ہی ہے اور وہی آجکل ہے کہ ان کا خادم بادہ الٹر ہی کے ہے اور وہی ہے انسان اسے صرف نئی نئی شکلیں دیتا ہے یہ نئی شکلیں دینے کی صلاحیت بھی اسے کہاں سے ملی ہے کہ وہ اللہ نہیں ہے جس نے انسان کی فطرت میں ان کا مادہ رکھا ہے اور پھر ان کو استعمال دینے کی صلاحیت سے نوازا ہے ایک سوچنے پر صنعتی تنظیم کو بھی اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ بالکل حق کرتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ میں قرآن کے اندر داد شاد ہوتا ہے۔

وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من باسکم فھل انتم شاکرون

اور ہم نے اس کو کھالی زرہ سازی جس سے تمھاری حفاظت ہو جنگ کے موقعوں پر کیس کیا تم اس کا شکر نہیں ادا کرو گے۔؟

بہرحال عقیدہ یہ نکلتا ہے کہ مال اپنی تمام شکلوں میں ایک عطیہ خداوندی ہے جو محض ازراہ فضل کرم انسان کو عطا ہوا ہے انسان اس کا مالک نہیں بلکہ مالک حقیقی کا خلیفہ اور نائب ہے اسی لئے اس کے نبی میں الٹر خرچ کا حکم دیتے ہوئے یہ پیرایہ بیان اختیار کیا جاتا ہے کہ:۔

انفقوا مما رزقناکم (البقرہ)

اور انفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ (الحدید)

خرچ کرو ان چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو عنایت کی ہیں خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن میں تم کو ہم نے قائم مقام ٹھہرایا ہے۔

تفسیر کشاف کے مولف نے اس آیت وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام اموال جو تمھارے ہاتھ میں ہیں وہ سب الٹر کے پیدا کردہ اور عطا کردہ ہیں جن سے تم کو مستفید ہونے اور تصرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے لیس حقیقت میں انکی ملکیت تمھیں حاصل نہیں ہے بلکہ مالک حقیقی کے نائب اور وکیل کی حیثیت سے جو تمھیں حاصل ہے لہٰذا اس کے حکم پر خرچ کرنا تمہارے لئے اسی طرح آسان ہونا چاہئے جس طرح کسی دوسرے کے مال میں سے اس کی اجازت پر خرچ کرنا آدمی کے لئے بالکل آسان ہوتا ہے۔

اس حقیقت کے علم سے جہاں یہ لازم آتا ہے کہ آدمی کو خدا کے حکم پر خرچ کرتے ہوئے کوئی دقت نہیں ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ صاحب کشاف نے متوجہ کیا، وہیں یہ بات بھی اسے لازم آتی ہے کہ آدمی خرچ کرنے میں خدا کے حکم اور اس کی مرضی کا پابند ہو، وکیل اور نائب کے لئے خود مختاری اور خود داری کا کوئی سوال نہیں، ورنہ وکالت باطل ہو جائے گی اور نیابت کے حقوق ختم۔

ہمارے علماء نے ان حقائق پر بہت موثر اور دلکش انداز میں روشنی ڈالی ہے، امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں

فرمایا اللہ کے عیال ہیں اور اہل ثروت دولت اس کے خزانچی ہیں کیونکہ انکے قبضے کا مال درحقیقت اللہ کی ملک ہے کوئی مالک اپنے خزانچی کو یہ حکمدے کہ خزانہ میں سے اتنا مال اس مصرف میں خرچ کردو تو اس میں حیرت و استعجاب کی کون سی بات ہے؟

ایک دوسرے مفسر قاضی ابن عربی نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے کام لیتے ہوئے اپنے بندوں میں سے کچھ کو دولت دی اور کچھ کو اس سے محروم رکھا، جن لوگوں کو اس نے دولت دی ان کو جتا دیا کہ اس احسان کا شکر تم تب ہی ادا کر سکتے ہو جب اپنے نادار اور کمزور بھائیوں کی دستگیری کے لئے میری راہ میں خرچ کرو کیونکہ اس ذمہ داری کو پورا کرتے رہو کہ زمین میں جو کوئی بھی جاندار پایا جاتا ہے اس کی روزی الٹر کے ذمہ ہے۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔

۳۔ فرد و معاشرہ کے مابین باہمی کفالت کا نظریہ:۔ انسان صحیح معنی میں

انسانی زندگی اس کے بغیر نہیں گزار سکتا کہ اپنے ہی نوع کی ایک پوری جماعت کے ساتھ رہے یعنی جیسا کہ حکماء قدیم نے کہا ہے کہ وہ مدنی الطبع ہے۔ یا جیسا کہ حکمائے جدید کہتے ہیں وہ اجتماعی فطرت کا حیوان ہے وہ اپنی نفس زندگی و بقاء علم و معرفت تمیز، تعبیر و تفہیم زبان و ادب، تہذیب و ثقافت، دین و شرافت غرض ہر چیز میں معاشرہ کا ممنون و محتاج ہے۔

معاشرہ نہ ہو تو پیدائش کے بعد اس کا زندہ رہنا دشوار اور زندہ رہ جائے تو انسان حیوانی زندگی اور اس کے فضائل و کمالات ناممکن بن تک اسے نہ آئے گا۔ لیس معاشرہ ہی ہے جو اسے انسانیت کے سانچہ میں ڈھالتا ہے اور زندگی کے مختلف مرحلوں سے بخوبی گزرنے کے قابل بناتا ہے۔ اور یہ بات جہاں فرد کی معنوی، ثقافتی اور تہذیبی ترقیوں کے سلسلے میں صادق ہے وہاں اس کی مادی اور اقتصادی ترقیاں اور کامیابیاں بھی اس سے باہر نہیں ہیں ظاہر ہے کہ فرد خواہ قدرت نے اس کو کتنی ہی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہو، تنہا اپنی جدوجہد سے مال و دولت نہیں پیدا کر سکتا ہے اس کے ساتھ دوسروں کی بیشمار محنتیں اور دماغی قوتیں شریک ہوتی ہیں۔ تب جاکر کام بنتا ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اس سلسلے میں کسی کی شرکت قریب سے ہوتی ہے اور کسی کی دور سے بعض کا اشتراک ارادہ کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض کا بلا ارادہ اور بلا مقصد۔ بہرحال یہ تمام اسباب مل کر کسی شخص کو حصول مال و دولت تک پہونچاتے ہیں۔

ایک کاشت کار کو لیجئے، جو گیہوں کی فصل اٹھا کر اپنے گھر لاتا ہے۔ کیا اس کی پیداوار میں اس کی تحت معاشرہ کی معاونت کے سامنے کوئی قیمت رکھتی ہے؟ کیا یہ معاشرہ نہیں ہے جس نے آلات زراعت بنا کر دیئے؟ اور کیا یہ معاشرہ نہیں ہے جس نے اس کے لئے امن و اطمینان سے محبت کرنے کی حالت میں کی۔ غور کرتے جائیے کتنی چیزیں اس زراعت کی شکل کر سامنے آئیں گی۔

ایک تاجر کو لیجئے! معاشرہ نہ ہو تو کہاں سے مال خرید لے گا۔ کس کے ہاتھ بیچے گا اور کس کی مدد سے کاروبار کی مختلف ضرورتوں میں لے گا؟ یہی حال صنعت کار کا ہے یہی ملازمت پیشہ کا ہے۔ اور ہر اس آدمی کا ہے جو کسی بھی ذریعہ سے مال کماتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جتنا بڑا کام اور جتنا بڑا کاروبار ہوگا اتنا ہی معاشرہ کا حصہ اس میں بڑھتا جائے گا اور مال کا مقابلتہ گھٹتا جائے گا اس لئے کہ فرد کی ہر حال ایک محدود طاقت اور محدود وسعت ہے جو کاروبار اور کام کی وسعت کے ساتھ بڑھ نہیں سکتی

اس حقیقت حال سے لازم آتا ہے کہ وہ کما یا ہوا مال جو فرد کا ہوتا ہے۔ جماعت کا اور معاشرہ کا بھی ہو چنانچہ قرآن مجید اسے جماعت کی طرف منسوب بھی کرتا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:۔

ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاماً۔

اور وہ مال جسے اللہ نے تمھارے لئے بنایا کم عقلوں کی تحویل میں مت دو۔"

اس آیت سے فقہا نے یہ حکم بھی اخذ کیا ہے کہ فضول خرچ افراد کو بھی ان کے مال میں تصرف سے روکا جائے گا، اگرچہ ملکیت انھیں کی ہے کیونکہ حق اس مال پر جماعت کا بھی ہے اور اسے فضول خرچی اور کم عقلی سے نقصان ہو سکے گا۔

قرآن کریم کی اس تعبیر کا راز کہ "اموالکم" (تمھارے مال) کہا "اموالہم" ان کے مال نہیں کہا ــــ حالانکہ قانونی ملکیت ان افراد ہی کی ہے جماعت کی نہیں ــــ اور "جعل اللہ لکم قیاماً" کہا "لہم قیاماً" نہیں۔ یہی ہے کہ افراد کے مال میں جماعت کا بھی حق ہے۔ اور اتنا حق ہے کہ ملکیت کی نسبت بھی اس کی طرف کی جا سکتی ہے۔

اسی علاج قرآن کہتا ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً

اے مسلمانو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں باطل طریقے پر، البتہ اس طریقہ پر کہ تمھاری رضامندی کی تجارت ہو۔ اور مت قتل کرو اپنے آپ کو بے شک اللہ کی عنایت و رحمت سے یہ سب جائز مال تم کو حاصل ہوا ہے۔

اس میں بھی لا یاکل بعضکم مال بعض بکم تم میں سے کوئی شخص دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے (نہ کھائے) کے بجائے لا تاکلوا اموالکم (تمھارے مال) اور اس طرح انفسکم کی تعبیر سے یہی شعور پیدا کرنا مقصود ہے کہ امت مسلمہ اپنے حقوق، مصالح اور جان و مال کے معاملہ میں بالکل ایک واحد کے کا کام رکھتی ہے۔ ایک کا مال سب کا مال اور ایک کی جان سب کی جان ہے (قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا

خلاصہ بحث یہ ہے کہ فرد کی قانونی ملکیت کے باوجود اس کے مال میں جماعت اور معاشرے کا ایک قطعی حق ہے جو عام حالات میں ایک مقرر پیمانے سے وصول کیا جائے گا۔ اور کچھ اتفاقی قسم کے حالات میں معاشرے کی ضرورت داعی ہو اور اس پر بقدر ضرورت اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ شریعت اس حق کو وصول کرنے کا مجاز ریاست کو کرتی ہے۔ جو معاشرے کی نمائندہ اور اس کے حقوق و مصالح کی نگراں ہے، چنانچہ یہ بالکل ضروری نہیں کہ معاشرہ میں فقراء پائے جائیں تب ہی یہ حق افراد کی ملکیت سے نکلے بلکہ ہر حال میں یہ ریاست کو ادا کیا جائے گا اور وہ اجتماعی مصالح کی دوسری مدوں میں اس کو خرچ کرے گی۔

۴۔ نظریۂ اخوت بین المسلمین:۔ اخوت باہمی کفالت سے آگے کی اور بلند تر چیز ہے

یہ بدلے اور مادی لین دین کے اصول پر مبنی نہیں بلکہ خالص جوہر انسانیت سے ابھرنے والا ایک بے غرض رشتہ ہے اس رشتہ کا تقاضا یہ ہے کہ بلا کچھ لئے ہوئے دوسرے کو دیا جائے کوئی ضرورت والبستہ نہ ہوتے ہوئے بھی دوسرے کی ضرورت پر مدد کی جائے۔ جو اپنے لئے پسند ہو وہی اپنے دوسرے بھائی کے لئے بھی پسند کیا جائے بلکہ کبھی ایسا ہو کہ اسے اپنے اوپر ترجیح دی جائے۔

اسلام جس اخوت کا علمبردار ہے وہ دو طرح کی ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ اس کے دو درجے ہیں، ایک انسانی اخوت اور دوسری ایمانی اخوت، تمام انسانی نسل، زبان طبقات و اوصاف کے تمام اختلافات کے باوجود ایک باپ کی اولاد ایک اصل کی فرد جات ہیں۔ لہٰذا سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اسلام اس انسانی رشتے کے پاس و لحاظ پر کتنا زور دیتا ہے اس کا اندازہ قرآن پاک کی اس آیت سے کیجئے جس میں فرمایا گیا ہے۔

یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا و نساء، واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا

(النساء)

اے لوگو اپنے اس رب کے پاس کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا ہے (یا یوں سمجھ کر) اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور پھر ان دونوں سے بے شمار مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے پس پاس کرو اس خدا کا جس کے نام سے تم سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں کا بے شک اللہ تمھارے اوپر نظر رکھنے والا ہے۔

اسی علاج رسول خدا کا ارشاد ہے "اے لوگو بھائی بھائی بن کر رہو" بلکہ بعض صحیح حدیثوں میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نظر میں اس انسانی اخوت کا درجہ ایمانی اخوت کا تھا چنانچہ روایت ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ کی زبان سے یہ سنا جاتا تھا۔

اللھم ربنا ورب کل شیئ و ملیکہ انا شھید انک انت اللہ وحدک لا شریک لک اللھم ربنا ورب کل شیئ انا شھید ان محمدا عبدک ورسولک اللھم ربنا ورب کل شیئ وملیکہ انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ۔

اے اللہ ہمارے اور ہر چیز کے مالک و رب میں گواہی دیتا ہوں کہ تو معبود لاشریک ہے اور اے اللہ ہمارے اور ہر چیز کے مالک و رب میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور رسول ہے اور اے اللہ ہمارے اور ہر چیز کے مالک و رب میں گواہی دیتا ہوں کہ سب بندے بھائی بھائی ہیں۔

پس اگر اس اخوت کے کوئی معنی ہیں تو یہی ہیں کہ آدمی دوسرے ابنائے آدم سے بے نیاز ہو کر تنہا اپنے ہی میں مست نہ رہے اور اگر یہ بات نہیں تو ایسا آدمی پیدا ہونے کے لئے نہیں، غذا کیا خوب ابوالعلاء معری نے کہا ہے۔

"اگر مجھے اکیلے کو عیش و دوام عطا ہوتو ایسے عیش و دوام کو میں قبول نہیں کر سکتا۔ میری طبیعت تو یہ ہے کہ وہ بارش منظور نہیں جو سارے ملک میں نہ برسے۔"

اس اخوت عامہ سے آگے کی اخوت وہ ہے جو عقیدے کے اشتراک سے پیدا ہوتی ہے یہ وہ اخوت ہے جو اس رشتے کے (یعنی دینی) بھائی کو خونی رشتے سے بھائی سے بڑھ کر محبت اور خبر گیری کا حقدار ٹھہراتی ہے۔ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ "ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایک عمارت کی اینٹوں کی طرح ہے جن میں سے ہر ایک دوسری کو مضبوط کرتی ہے"

سول ایجنسیاں
اودھ میڈیکل اسٹور
امین آباد لکھنؤ
ایس ایم ظہیر اینڈ سنس
چمن گنج کانپور

ایک بڑے پادری کا تازہ قبول اسلام

ایک بڑے بشپ و بڑے پادری (مسیحیوں کے پروٹسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھتے) اور تامل ناڈو کے تین اضلاع کے گرجا گھروں کے انچارج تھے اور کولمبو کے امریکی مسیحی مشن کے بورڈ کے سکریٹری تھے ان کا کام ہندوستان کے باشندوں کو قبول مسیحیت کی دعوت دینا تھا۔ وہ سالہا سال سے اس تبلیغی کام پر مامور تھے۔ ساڑھے چھ سو ماہوار کا گرانقدر مشاہرہ انھیں مشن سے ملتا تھا۔ رہنے کے لئے بنگلہ اور سواری کے لئے موٹر اور ڈرائیور مفت ملے ہوئے تھے۔ یہاں کے قیام کے کچھ عرصہ بعد اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے باوجود اتفاقاً تامل کے علاقہ میں نوجوانوں کی ایک اسلامی انجمن جس کے نام سے کم سے کم تامل ہندو اور اردو والے علاقہ کے مسلمان بھی ناآشنا ہیں، جس کا دفتر ضلع تھاولی کے کیال پٹنم میں ہے کے شائع کردہ اسلامی لٹریچر بزبان تامل کے بعض حصے ان کی نظر سے گزرے۔ ان کو پڑھ کر اسلام کے بارے میں ان کے تعصب اور غلط فہمیوں میں کمی ہوئی اور اس کی کرید پیدا ہوئی کہ وہ اس مذہب سے متعلق اور زیادہ صحیح واقفیت حاصل کریں۔ اس ادارہ کو خط لکھ کر انھوں نے مزید اسلامی لٹریچر مانگا۔ ادارہ والوں نے تامل زبان کے اسلامی لٹریچر کے ساتھ جو انگریزی میں اسلامی لٹریچر موجود تھا انھیں ارسال کیا اس میں کلام پاک کا انگریزی ترجمہ بھی تھا۔

اس کے مطالعہ نے ان کے دل پر مزید اثر ڈالا اور انھوں نے ادارے والوں سے اپنے شکوک کے ازالے کے سلسلہ میں خط وکتابت شروع کی۔ مسیحیوں کے اس بنیادی عقیدہ جو ظاہر ہے کہ اسلام سے بالکل متعارض ہے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے تھے کی جو تردید اسلام نے قطعیت کے ساتھ کی ہے اور حضرت مسیح کو صرف خدا کے رسول کی حیثیت سے پیش کیا ہے اس کا انھوں نے غور سے مطالعہ کیا اور اس سلسلے میں مزید تشفی چاہی۔ رفتہ رفتہ اس خط وکتابت اور اسلامی لٹریچر کے مطالعہ سے یقین پیدا ہوگیا کہ قرآن پاک ہی میں حضرت عیسیٰ مسیح کی سیرت طیبہ کا صحیح اور حقیقی نقشہ پیش کیا گیا ہے اور بائبل میں جو ان کی تصویر کشی کی گئی ہے وہ حقیقت سے بعید اور حد درجہ تضاد کا نمونہ ہے۔ مزید ان اسلامی لٹریچر کے مطالعہ سے ان پر یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت کی پیشین گوئی عیسائیوں کی تحریف کی کوششوں کے باوجود انجیل میں بھی مختلف پیرایوں میں مختلف مقاموں میں موجود ہے۔ یہ مطالعہ اور یہ مراسلت انھیں روز بروز اسلام کے قریب اور مسیحیت سے بیزار کرتی گئی۔ اگست ۱۹۷۲ء میں مختلف عیسائی فرقوں کا ایک بڑا چہار روزہ اجتماع اس علاقہ میں ہوا جہاں اس میں بڑے بڑے مسیحی پادری اور رفقاء دور دراز سے آکر جمع ہوئے ان میں ان بشپ صاحب نے بڑی ہمت سے کام لے کر ایک مقالہ پڑھا جس میں اسلام کی تعلیمات کی اہمیت اور افضلیت پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہ مضمون ہی اس کا علیہ خصوصاً مسیحی پادریوں میں کھلبلی مچا دینے کے لئے کیا کم تھا کہ انھوں نے وہیں بیک یہ اعلان بھی کردیا کہ میں نے اسلام قبول کرنے کا قطعی ارادہ کرلیا ہے۔ گرد و پیش کا مجمع ان کے اس دلیرانہ اعلان پر حد درجہ متحیر و ششدر رہ گیا۔ پادریوں نے سمجھا بجھا کر اور طرح طرح کی ترغیبات دے کر انھیں اس ارادے سے روکنا چاہا اور جب دیکھا کہ وہ ارادے سے ہٹنے والے نہیں تو اب انھوں نے ان کے ساتھ سخت برتاؤ شروع کردیا جو خاص مراعات قیام اور موٹر وغیرہ کے حاصل تھے ان سے چھین لئے گئے تنخواہ بند کردی گئی اور ان کی اہلیہ اور ایک بچی کو کچھ دنوں سخت مصائب جھیلنے پڑے۔ کئی روز انھیں کھانے پینے کی تکلیف رہی لیکن انھوں نے صبر و استقامت سے کام لیا اور مسلمانوں کے اس تبلیغی انجمن کے دفتر واقع کلیا پٹنم میں چلے آئے اور یہاں پہونچ کر وہ مع خاندان کے مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ ان کا اسلامی نام عبداللہ جو بالعموم نومسلموں کا نام رکھا جاتا ہے، رکھا گیا ان کی اہلیہ محترمہ آمنہ اور صاحبزادی فاطمہ کے ناموں کے لقب سے موسوم کی گئیں اس خبر مسرت اثر کے پھیلتے ہی مسلمانوں کی اسی تبلیغی انجمن نے نومسلم پادری کے اعزاز میں ایک جلسہ منعقد کیا جس کی صدارت جنوبی ہند کی انجمن اشاعت الاسلام کے صدر مسٹر ایم۔ اے۔ عبدالرحمٰن نے کی اور اس جلسہ میں نومسلم پادری نے جو اب عبداللہ کے مبارک نام سے موسوم ہوچکے تھے، "میں کیوں مسلمان ہوا" کے عنوان سے ایک بڑی اچھی اور موثر تقریر کی اور اس میں انھوں نے اسلام کی تعلیمات و عقائد و احکام کی انتہائی تعریف کرنے اور انھیں مطابق فطرت جتانے کے ساتھ ساتھ مسیحیت کی خامیوں اور کوتاہیوں کو آشکارا کیا اور اس کے ساتھ ہی بڑی حسرت کے ساتھ مسلمانوں کی اس غفلت پر افسوس ظاہر کیا کہ وہ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں کر رہے ہیں انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ اگر مسلمان اپنے فروعی اور فرقہ وارانہ اختلاف کو نظرانداز اور ترک کر کے مختلف رسوم وغیرہ کے سلسلے میں اپنے اسراف اور فضول خرچی کو خیرباد کہہ کر ایک مشترکہ تبلیغی ادارہ قائم کرلیں تو نہ صرف مسلمانوں کی نوجوان اور نئی نسل جو مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے اور اسلامی نام رکھنے کے باوجود اسلام سے بڑی حد تک ناآشنا اور عقائد و اعمال دونوں کے لحاظ سے نہایت درجہ ضعیف اور بودی نظر آرہی ہے پختہ اور محکم مسلمان بن جائے بلکہ دوسروں میں بھی تبلیغ اسلام ہوسکے اور پوری طرح اور بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوکر رہیں۔ اسلام اور اس کی تعلیمات کے بارے میں غیر مسلموں میں حد درجہ ناواقفیت پھیلی ہوئی ہے۔ تبلیغ کے ذریعہ اس کو بآسانی دور کیا جاسکتا اور اسلام کی روشن و منور تصویر پیش کی جاسکتی ہے۔ (صدق جدید بحوالہ ریاست جدید، کانپور)

تعمیر حیات
ملکیت کے بارے میں بیان

اخبار کے رجسٹریشن (مرکزی) قواعد ۱۹۵۶ء کے قاعدہ نمبر ۸ کے تحت حکومت ہند کی وزارت اطلاعات و نشریات کا مطلوبہ بیان متعلق ملکیت و دیگر تفصیلات

مقام اشاعت	لکھنؤ
وقفہ اشاعت	پندرہ روزہ
پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر کا نام	محمد الحسنی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ
مالک	شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

میں (محمد الحسنی) اعلان کرتا ہوں مندرجہ بالا تفصیلات جہاں تک میری اطلاعات کا تعلق ہے۔ صحیح ہیں۔

عربی سے ترجمہ

وادیٔ پرخار

محمد یٰسین اختر اعظمی (خانیپور ادری)

داعیان اسلام کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنے کی خواہش تو کرتا ہے مگر دشوار گذار راہیں اس کے لئے زنجیر پا ثابت ہوتی ہیں عزم و حوصلے کی کمی کے باعث ہر مشکل امر کا مقابلہ کرتے وقت اس کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور نامساعد حالات کے الزام رکھ کر پیچھے ہٹ لیتے ہیں وہ ذرا بھی جھجک اہٹ اور رکاوٹیں محسوس کرتا۔ لوگوں کی بے اعتنائی اور امر بالمعروف سے لاپرواہی سے تنگدل ہوکر جھلا کر کہہ اٹھتا ہے کہ ہم نے شدائد و آلام کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر موقعہ اور ہر موڑ پر لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی۔ لاکھوں بار سمجھایا اور اسلام کی دعوت دی مگر سوائے ذلت و رسوائی کے اور سب و شتم کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ درحقیقت ایسے داعیوں کو اگر "صاحب الشان" کے بجائے "پیشہ ور افراد" کہا جائے تو کوئی بیجا بات نہ ہوگی، صاحب کردار انسان تو وہ ہے جو سب و شتم کی پرواہ کئے بغیر قدم آگے بڑھاتا شوق و دیوانگی کے ساتھ پرخار وادیاں طے کرے، مگر اس کی پیشانی پر بل نہ آئے۔ لغزشیں کھائے مگر ہمت و عزم جوان اس کا دست و بازو تھام لے۔

خدمت اسلام کا جذبہ رکھنے والے ہر شخص کے لئے شرط اول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نقش قدم کو مشعل حیات بنائے۔ جنھوں نے دین کو مقصد زندگی قرار دیا۔ اور اشاعت اسلام کی خاطر جان کی بازیاں لگا دیں۔

حسرت و افسوس کا مقام ہے کہ دردناک سے دردناک سزائیں بھی اس شخص کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کرسکیں جن کے سامنے قرون اولیٰ کے ان مسلمانوں کی زریں تاریخ ہو جنھوں نے قدم قدم پر مصیبتوں کا مقابلہ کیا، اور ٹھوکریں کھائیں، مگر سنبھل سنبھل کر اٹھے اور اسلام کی راہ میں آگے بڑھتے رہے۔

چند واقعات بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں جن سے اسلاف کرام کی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر آپؓ مشرف بہ اسلام ہوئے اور مسجد حرام میں آکر قریش کو مخاطب کرکے باواز بلند اعلان فرمایا۔ انی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ۔ کفار قریش کس طرح یہ گوارہ کرسکتے تھے کہ قبول اسلام کا اعلان اس طرح ڈنکے کی چوٹ پر کیا جائے غضب ناک ہوکر آگے بڑھے اور حضرت ابوذرؓ کو اتنا زدوکوب کیا کہ آپؓ جاں بلب ہوگئے اور سارا جسم خون سے لہولہان ہوگیا۔ اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہیں سے آنکلے اور حضرت ابوذرؓ و قریش کے درمیان آہنی دیوار بن کر کھڑے ہوگئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت ابوذرؓ قتل کردیے جائیں اور قریش و قبیلہ غفار میں جنگ نہ چھڑ جائے۔

تھوڑی دیر بعد حضرت ابوذرؓ اٹھ کر زمزم کے پاس تشریف لے گئے اور بدن سے خون صاف کرکے مسجد حرام سے باہر نکلے اس وقت بدن کے عضو عضو میں بے چینی تھی اور شدت تکلیف ناقابل برداشت تھی۔

جب دوسرے روز خورشید خاور طلوع ہوا تو آپؓ کے دل میں ببانگ دہل اعلان کرنے کی آرزوئیں اور تمنائیں۔۔ انگڑائیاں لینے لگیں، قریش کی دردناک اذیتیں آپؓ کے لئے اور جوش و خروش اور عزم و حوصلہ کا باعث بنیں۔ صبح ہوتے ہی آپؓ مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے پکارا۔ اے قریش کے لوگو! دیکھو میں پھر اعلان حق کرتا ہوں انی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ۔ قریش نے جب یہ آواز سنی تو غصہ میں آگ بگولہ ہوگئے، اور آپؓ کو مار مارتے بیہوش کردیا یہاں تک کہ بے تاب ہوکر زمین پر گر پڑے۔

جب ہوش آیا تو آپؓ نے محسوس کیا کہ سارے جسم میں ناقابل برداشت درد کی لہر اٹھ رہی ہے۔ عضو عضو میں بے پناہ تکلیف اور بے چینی ہے لیکن اس کے باوجود برسر عام اور بے باکانہ اعلان حق کی خوشی میں پھولے نہیں سمارہے تھے۔

(۲) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

جستجوئے حق میں آپؓ سرزمین فارس سے جزیرۃ العرب تشریف لائے اور بے چینی کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا انتظار کرنے لگے، ایک بار ایک عرب قافلہ گذر رہا تھا۔ اب آپؓ کو مزید انتظار کرنا دشوار ہوگیا اور اسی قافلہ کے ساتھ روانہ ہوگئے راستے میں ان ظالم تاجروں نے آپؓ کا سارا مال و متاع چھین لیا اور قید کرکے مدینہ منورہ کے ایک یہودی کے ہاتھوں فروخت کردیا۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ صبر و استقلال کے ساتھ زندگی کی کٹھن گھڑیاں گذارتے رہے۔ کبھی اس یہودی آقا کی بکریاں چراتے اور کبھی باغ کی رکھوالی کرتے رہے حتیٰ کہ قسمت سے وہ دن بھی آیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمایا۔ اس وقت آپؓ پیغمبر اسلام کے پاس تشریف لائے اور دست پاک پر مشرف باسلام ہوئے۔

جب سلمان فارسیؓ کے یہودی آقا کو آپؓ کے قبول اسلام کا علم ہوا تو غصے سے تلملا اٹھا اور طرح طرح کی سزائیں دینے لگا۔ بعض صحابہؓ نے دیکھا کہ سلمانؓ کے بدن سے زدوکوب کی وجہ سے خون ٹپک رہا ہے اور آپؓ خون میں شرابور ہیں کسی نے پوچھا۔ سلمانؓ یہ خون کیوں بہہ رہا ہے اور کیا بات ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ اگر صرف اسی خون کی بات ہوتی تو کوئی بات نہ تھی مگر یہودی آقا تو میری جان کے درپے ہوگیا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تمھیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاتے دیکھ لیا تو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ لیکن میری حالت یہ ہے کہ بغیر آپؐ کے پاس گئے چین نہیں ملتا۔ خیر جب رسول خدا پر ایمان لاچکا ہوں تو پھر اپنے قتل ہونے کا بھی کوئی غم نہیں

(۳) خانوادۂ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

مشرکین عرب ان کو مکہ سے باہر لیجاتے سروں پر خود رکھ کر اور آہنی زرہیں پہنا کر ریگستانی عرب کی چلچلاتی دھوپ میں ڈالدیتے، آفتاب کی تمازت اور لوہے کی گرمی سے ایسا معلوم ہوتا کہ سارا بدن پگھل جائے گا۔ دماغ دھوپ کی شدت سے کھولنے لگتا۔ اور بدن کی قوتیں سلب ہوجاتیں یہاں تک کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں باقی رہ جاتی۔ جب قریش کا کچھ دل ٹھنڈا ہوتا تو چند آدمی آتے اور عمار بن یاسرؓ اور ان کے خاندان کے تمام افراد کو جانوروں کی کھالوں میں لپیٹ کر گھر لے جاتے۔ یہ دردناک اذیتیں اور تکلیفیں انھیں صرف اس لئے تو دی گئی تھیں کہ انھوں نے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا اعلان کیا تھا۔ اور اسلام کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیا تھا۔

(۴) حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ

حبشہ سے آپؓ آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر مشرف بہ ایمان ہوئے چونکہ آپؓ غلام بھی تھے اس لئے کفار و مشرکین کو انھیں اذیت پہونچانے میں کسی قسم کی دقت اور پریشانی نہیں تھی ان کا معمول بن گیا تھا کہ حضرت بلالؓ کو پکڑ کر صحرا کی طرف لیجاتے اور بدن کے تمام کپڑے اتار کر جلتی ہوئی ریتوں پر منہ کے بل ڈالدیتے اور اوپر سے گرم گرم سلاخوں سے جسم داغ دیتے تھے مگر آفریں ہو بلالؓ کے صبر و استقلال پر کہ پیچھے سے سینہ دھر ہوا

(باقی صفحہ ...)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور مصلحت عامہ"

(ترجمہ عطاء الرحمن ندوی بستوی)

شریعت اسلامیہ نے مصلحت کا بہت زیادہ لحاظ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے تمام قوانین مصلحت سے پُر ہیں لیکن مصلحت کا اعتبار اسی حد تک کیا ہو جہاں تک اصول شرعیہ میں سے کسی اصل کی مخالفت نہیں ہوتی اگر کہیں ایسی صورت پیش آئی ہے جہاں پر مصلحت عامہ کو ترک کر دیا گیا ہے خواہ وہ مصلحت کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو۔ تمام اسلامی قوانین کی بنیاد اسی اصل پر ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا فقیہ، مفتی، محدث اس میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مصلحت عامہ کا بہت زیادہ خیال کرتے تھے ان کے بارے میں مشہور ہو کہ کان عمر اکثر الصحابۃ ومن جاء بعدھم اخذا بالمصلحۃ وکان اسلامہ نصرا وھجرتہ فتحا وخلافتہ رحمۃ وخیرا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نصوص کے مقابلے میں مصلحت عامہ کو ترجیح دیتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے اور الزام لگایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مصلحت عامہ کو نصوص پر ترجیح دیتے تھے اور اسی کو مقدم رکھتے تھے۔ خواہ وہ اصول شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

معترضین کا یہ اعتراض بے بنیاد اور غلط ہے۔ کیونکہ جب ہم حضرت عمرؓ کے فیصلوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے تمام فیصلے روح شریعت کے قائل ہیں اور اس سے بہتر فیصلہ کرنا ممکن ہی نہیں بلکہ محال ہو۔ جیسا کہ آگے چل کر آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت کا زمانہ اسلام و عرب ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیائے انسانیت کے لئے رحمت تھا جس کی گواہی ان کے دشمنوں نے دی ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان کے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے کیونکہ معصوم صرف انبیاء ہوتے ہیں جن کو بشری خطاؤں اور لغزشوں سے بچایا جا سکتا ہو۔

تمام اسلامی قوانین کا اصل مرجع و منبع قرآن و حدیث ہو لیکن قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ یہ وہی کر سکتا ہے جو قرآن و حدیث کو خوب سمجھتا ہو اور روح شریعت سے کامل طور پر واقف ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی ذکاوت و ذہانت کی وجہ سے نصوص شرعیہ کو خوب سمجھتے تھے اور ان کی روح سے اچھی طرح واقف تھے، جزئی واقعات کو قواعد پر منطبق کرنے میں انھیں کامل دست گاہ حاصل تھی لیکن ان سب کے باوجود معترضین نے یہ اعتراض کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رائے و مصلحت کو نصوص پر ترجیح دیتے تھے بعض لوگوں نے اس اعتراض سے اپنے لئے بھی وجہ جواز پیدا کر لی ہے کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نصوص پر رائے و اجتہاد کو ترجیح دیتے تھے تو ہمارے لئے بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

ہمیں اس کا اعتراف ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ معصوم نہ تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے کہیں بھی نصوص کے مقابلے میں اپنی رائے یا مصلحت کو ترجیح نہیں دی ہے بلکہ نص میں اچھی طرح غور و فکر کرتے تھے اور روح شریعت کا لحاظ رکھ کر اس کا صحیح حل تلاش کرتے تھے انھوں نے بہت سے واقعات کا ایسا حل تلاش کیا ہے جو روح شریعت کے عین مطابق ہو اس سے بہتر حل نکالنا یا شکل تجویز کرنا ناممکن نہیں بلکہ محال ہو لیکن پھر بھی وہ ایک مجتہد تھے لہذا ان سے غلطی بھی ہو جاتی تھی مگر جیسے ہی انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا تھا حق کی طرف رجوع کر لیتے اور اپنے نظریے سے دستبردار ہو جاتے تھے اور اس میں ذرا بھی عار محسوس نہ کرتے تھے ایسا نہیں ہوتا تھا کہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے محض اپنی طاقت و قوت کے بل پر اپنی غلط رائے بھی لوگوں سے منوا لیتے ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے تمام حالات کتابوں میں مذکور ہیں جس کو شبہہ ہو وہ ان کی طرف رجوع کرے۔

اس جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعض اجتہادات قارئین کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مصلحت عامہ کی رعایت کس طرح کرتے تھے۔

سب سے پہلے میں مسئلہ مؤلفۃ القلوب کو پیش کرنا چاہتا ہوں اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ اعرابیوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کو اپنے قوم میں عزت و بلندی حاصل تھی جیسے زبرقان بن بدر اقرع بن حابس اور عباس بن مرداس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کے مال سے ان کو کچھ دیا کرتے تھے تاکہ وہ اور ان کی قوم اسلام پر جم جائے حالاں کہ یہ لوگ غنی تھے۔ ایسا آپؐ اس لئے کرتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے قول انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمولفة قلوبھم وفی الرقاب والغارمین الخ پر عمل ہو جائے۔

لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو وہ لوگ ان کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ہمیں رسول اللہ جو مال دیتے تھے، آپ بھی دیجئے۔ ان کے مطالبہ پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے صدقہ وصول کرنے والوں کے پاس خط لکھا کہ جس طرح انھیں حضور کے زمانہ میں دیا جاتا تھا اب بھی دیا جائے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اعرابیوں کو بلا کر کہا کہ اللہ نے اب اسلام کو عزت بخشدی ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو ایمان نہ لانا چاہے نہ لائے، ہاں اگر تم لوگ فقراء، یا مساکین ہو یا کوئی ایسی صفت تمہارے اندر پائی جا رہی جس سے تم صدقات کے مستحق ہو تو تمہیں ضرور دیا جائے گا ورنہ نہیں اعرابی (دیہاتی) ان کی بات سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انشاء اللہ وہ بہت جلد خلیفہ ہونگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات مان لی۔

یہ قصہ صحیح طور پر مکمل سند میں موجود ہے۔ اور اسی کو لے کر معترضین نے بڑا ہنگامہ برپا کیا وہ کہتے ہیں کہ اس جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نص کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم کیا ہے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض ہی بالکل مہمل ہو اور ایسا اعتراض وہی کر سکتا ہے جو قرآن و حدیث سے ناواقف ہو اور عربی قواعد سے نابلد و بے بہرہ ہو کیونکہ یہ اصول ہے کہ جب کوئی حکم فعل مشتق پر معلق ہو تو وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فعل مشتق کا مصدر حکم کے ثبوت میں علت ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے خواہ وہ قیاس کو حجت مانتے

ہوں یا حجت نہ مانتے ہوں۔

اس قاعدے کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھنا چاہئے جیسے کوئی کہے اکرم المجتھدین (مجتہدین کی عزت کرو) تو اس جگہ اجتہاد ہی اکرام کا سبب ہے۔ اب جس کے اندر اجتہاد کی صفت پائی جائے گی اس کی عزت کی جائے گی اور جس کے اندر یہ صفت نہیں پائی جائے گی اس کی عزت نہیں کی جائے گی۔

آیئے اب آیت شریفہ کو دیکھیں اللہ تعالیٰ نے صدقات کے استحقاق کا دار و مدار اشخاص پر نہیں بلکہ صفات پر رکھا ہے، جیسے فقر و مسکنت اور محتاجی وغیرہ اور اس آیت میں المؤلفۃ قلوبھم فرمایا گیا ہے لفظ مؤلفۃ تالیف کا اسم مفعول ہے تو تالیف قلب پر ہی صدقہ کے استحقاق کا دار و مدار ہوتا ہو نہ کسی متعین اشخاص مثلاً زبرقان اور ان کے ساتھی وغیرہ کے مستحق ہو اب تالیف قلب کی جہاں ضرورت ہوگی وہاں صدقات کا مال دیا جائے گا۔ جہاں ضرورت نہیں ہوگی وہاں نہیں دیا جائے گا

لیکن زبرقان اور ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ وہ صدقہ لینے کے مستحق ہیں خواہ حالات جس طرح کے بھی ہوں حکومت کو تالیف قلب کی ضرورت ہو یا نہ ہو خواہ وہ اسلام سے مطمئن ہوں یا نہ ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دقیق النظری سے یہ بات محسوس کر لی کہ اب دولت اسلامیہ کو ان جیسے لوگوں کے تالیف قلب کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اب اسلام اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا ہو اور قیصر و کسریٰ جیسی حکومتوں سے ٹکرلے رہا ہو۔ اس لئے زبرقان و عباس بن مرداس جیسے لوگوں سے ڈرنے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا اور یہ بات بھی بالکل واضح ہو چکی تھی کہ حضرت زبرقان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اب اسلام پر جم چکے ہیں، ان کے اندر اسلام نے اپنی جگہ بنالی ہے اور اب ان کے تالیف قلب کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے کو نص پر مقدم کر دیا ہے یا نص کو بیکار کر دیا ہے حالاں کہ اسی آیت میں والعاملین علیها وفی الرقاب بھی ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان دونوں کے لئے کوئی حصہ متعین نہیں کرتے۔ کیوں کہ اب نہ ایسے عامل پائے جاتے ہیں جو صدقات جمع کرتے ہوں اور نہ غلام جن کو آزاد کرایا جائے تو جس طرح عامل و رقاب میں ضرورت نہ ہونے کی بنا پر ہم انھیں صدقہ نہیں دیتے ہیں ٹھیک اسی طرح سے جب تالیف قلب کی ضرورت نہیں باقی رہی تو تالیف قلب کے لئے بھی کچھ نہ دیا جائے گا لیکن اگر آج بھی حکومت اسلامیہ کو کسی سے تالیف قلب کی ضرورت ہے تو اسے صدقہ دیا جا سکتا ہے اور یہ معاملہ حاکم کے اوپر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر وہ ضرورت سمجھے تو دے ورنہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور ان کا مشورہ عین روح شریعت کے عین مطابق ہے تو اسے مان لیا۔

اس توجیہ کے بعد کوئی انصاف پسند نہیں کہہ سکتا کہ حضرت عمر رضی اللہ نے نص کو معطل کر دیا ہے یا رائے کو نص پر ترجیح دی ہے بلکہ غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر خود بخود پہنچ جائے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نص پر پوری امانتداری کے ساتھ عمل کیا ہے اور یہی کرنا مناسب بھی تھا۔ اس کا دل گواہی دے گا کہ یہی سچ ہے جو حضرت عمرؓ نے کیا۔

لیکن جنھیں اعتراض کرنے کا شوق ہوتا ہے وہ ایک چھوٹی سی بات کو پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ مصلحت کو نصوص پر ترجیح دیتے تھے۔ اور ایسے بہت سے مسائل ہیں جن کو معترضین پیش کرتے ہیں حالانکہ ان کا اعتراض قابل اعتنا نہیں ہے۔ اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو ہر جگہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باریک بینی و دقیق النظری ہی ملتی ہے، اور روح شریعت کی صحیح تعبیر نظر آئے گی۔

دوسرا مسئلہ ہر ایک دوسرا واقعہ بھی اس جگہ قابل ذکر ہے جس کو معترضین نے خوب اچھالا ہے اسلامی فتوحات میں سب سے بڑی فتح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی آپؓ کے زمانہ میں عراق، فارس، شام اور لیبیا کے اکثر علاقے فتح ہوئے ان فتوحات میں سب سے زیادہ اہم اور مشکل چیز یہ تھی کہ مفتوحہ زمینوں کو کیسے تقسیم کیا جائے۔ لشکر والے چاہتے تھے کہ جس طرح سے انھیں مال غنیمت میں حصہ دیا جائے اسی طرح زمینوں میں بھی دیا جائے۔ اور خمس (پانچواں حصہ) نکال کر بقیہ زمین انھیں پر تقسیم کر دی جائیں اور خمس کو ان جگہوں پر خرچ کیا جائے جن میں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے واعلموا انما غنمتم من شیئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ان زمینوں کو روک لیا جائے اور ان کے مالکوں کو اسی طرح ان میں کام کرنے دیا جائے جیسا کہ وہ اس سے پہلے کیا کرتے تھے اور ان پر ٹیکس مقرر کر دیا جائے تاکہ اس سے جو کچھ آمدنی ہو اسے رفاہ عام پر خرچ کیا جائے۔ مثلاً جب سرحدوں پر سپاہیوں کو بھیجا جائے گا تو ان کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کرنی پڑے گی۔ جگہ جگہ پل اور سڑکوں کے بنانے کی ضرورت ہوگی۔ یہ سب کام اسی آمدنی سے کئے جائیں گے۔ لیکن مجاہدین کہتے تھے کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں، ہمیں زمینیں کیوں نہیں دے رہے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو سب پر تقسیم کر دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان زمینوں کو مال فئی کی طرح سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ جس طرح بنو قریظہ و بنو نضیر کی زمینیں ہیں اسی طرح یہ بھی ہیں۔ اور لڑنے والوں کو منقولہ اشیاء جو زمینوں کے علاوہ ہیں، غنیمت کے طور پر مل چکی ہیں اس لئے انھیں زمین مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول وما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔ سے استدلال کرتے تھے یعنی جو مال اللہ تم کو فئی کے طور پر دے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے۔ وہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو نہ دینا چاہیں نہ دیں لیکن ان کے مخالفین جن کے سردار حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے وہ ان زمینوں کو مال غنیمت سمجھتے تھے اسی لئے کہتے تھے کہ ان زمینوں کو اور ان میں کام کرنے والوں کو اللہ نے ہم لوگوں کو غنیمت کے طور پر عطا کیا ہے تو آپ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیں اور بقیہ تقسیم کر دیں۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ آپ نص قرآنی سے دلیل پیش کر رہے تھے اور آپ کی رائے نص کے عین مطابق تھی تاہم آپ نے خود اپنے رائے سے فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلا کر مشورہ کیا ان صحابہ میں انصار بھی تھے اور مہاجرین بھی۔ جب سب حضرات جمع ہو گئے تو آپؓ نے فرمایا! انی لم ازعجکم الا لان تشترکوا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم وانتم الیوم تقرون بالحق خالفنی من خالفنی ووافقنی من وافقنی لست ارید ان تتبعوا ھذا الذی ھوی معکم من اللہ کتاب ینطق بالحق فواللہ لئن کنت نطقت بامر اریدہ ما ارید بہ الا الحق۔ میں نے آپ لوگوں کو اس لئے زحمت دی ہے تاکہ آپ لوگ بھی اس امانت میں جس کا میں امین ہوں شریک ہو جائیں اور میں آپ ہی لوگوں جیسا ایک آدمی ہوں آپ لوگوں کو حق معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ بعض لوگوں نے میری مخالفت کی ہے اور بعض نے موافقت اور میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میری خواہش کی پیروی کریں۔ ہمارے پاس اللہ کی ایک کتاب ہے جو حق بتلاتی ہے اللہ کی قسم جو بات میں آپ لوگوں سے کہہ رہا ہوں اس سے میرا مقصد اپنی ہوی پرستی یا نفس پرستی نہیں بلکہ حق کو ظاہر کرنا ہے اس لئے آپ لوگ حق بات کہیں گے اس میں میرا لحاظ نہ کریں گے۔ جب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سنی تو انہوں نے کہا اے امیر المومنین کہئے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ہم لوگ غور سے سنیں گے اور صحیح جواب دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب جان لیا تو وہ لوگ بالکل متوجہ ہو گئے ہیں تو فرمایا۔ کہ آپ لوگوں نے میرے مخالفین کی باتیں سن لیں، وہ خیال کر رہے ہیں کہ میں ان کا حق مار رہا ہوں اور ان پر ظلم کر رہا ہوں حالانکہ میں کسی پر ظلم کرنا یا کسی سے بغض و عداوت رکھنا نہیں چاہتا ہوں۔ اگر میں کسی پر ظلم کر کے اس سے کوئی چیز لے لوں جو اس کی خاص ملکیت ہو اور دوسرے

(باقی آئندہ)

اسلامیت ومغربیت کا تصادم

وقار عظیم صدیقی

اسلام کی حقانیت کے لئے یہی دلیل کیا کم ہے کہ یہ ہمیشہ باطل سے نبرد آزما رہا ہے اور ظلم وجور اور کفر ہی سے برسرپیکار رہا ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

چنانچہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ ایسے ہی معرکوں کی طویل داستان ہے کبھی تو کفارِ مکہ اور یہود مدینہ سے سابقہ پڑا تو کبھی روم کے نصاریٰ اور فارس کے مجوسیوں سے۔ دورِ حاضر میں آکر مغربیت و اسلامیت کی کشمکش و کشاکش بھی کچھ کم درجہ نہیں رکھتی۔

یوں تو یہ کشمکش بیسویں صدی کی پیداوار نہیں بلکہ اس کی تاریخ خاصی قدیم ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بیسویں صدی نے اس کو جلا بخشی ہے۔ مغربیت اسلامیت سے پہلی بار تیرھویں چودھویں صدی میں صلیبی جنگوں کے درمیان نبرد آزما ہوئی تھی جب کہ یورپ سمندر کی موجوں کی مانند اٹھا تھا اور اس نے مسلمانوں سے معرکہ آرائیاں کیں مگر سیلاب کا رخ موڑنے میں نمایاں کردار صلاح الدین ایوبی نے ادا کیا اور فریق مخالف کو اکثر معرکوں میں منہ کی کھانی پڑی۔

مغربیت دوسری بار اسلامیت سے ۱۴۹۲ء میں سرزمین اندلس میں برسرپیکار ہوئی یہ وہی عہد ہے جب کہ مغربیت نے اندلس کے ... جو کہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا شکست دی تھی اور موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس عہد تک کشمکش عداوت کا حق ادا کرنے کا یہ مطلب سمجھا جاتا تھا کہ فریق مخالف پر یلغار کر کے جائیں، شب خون مارے جائیں اور اس کی کوشش کی جائے کہ دشمن کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔ یہ کشمکش عرصہ تک جاری رہی لیکن مغرب کو جب کوئی خاص کامیابی ہوتی نظر نہ آئی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ جدید حربہ کارگر نہیں تھا لہٰذا اس نے حربہ بدلا اور معرکہ آرائی کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا یہ طریقہ ایسا تھا کہ جس میں تیشہ و نشتر سے کام تو نہ لیا جائے بلکہ اس سے بھی زیادہ کاری زخم ضرور لگائے جائیں جو کبھی مندمل نہ ہو سکیں۔ یہ طریقہ تھا ذہنیت میں انقلاب لانے کا جسے ارتداد ذہنی سے بھی موسوم کر سکتے ہیں در حقیقت یہ انقلاب کچھ آسان نہ تھا چنانچہ مغرب نے اس مقصد کے حصول کے لئے انتہائی کوششیں کیں جس کا مختصر خاکہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

مغرب کو تجربہ تھا کہ وہ جب بھی اسلامیت سے نبرد آزما ہوا ہے تو اس کو شکست فاش محض اس وجہ سے ہوئی ہے کہ ایک مسلمان کو ظاہری قوتوں کے علاوہ ایک دوسری قوت بھی حاصل ہے جس کا مقابلہ آسان نہیں بلکہ ناممکن ہے، وہ ہے ایمانی قوت چنانچہ اس نے اپنی پہلی کوشش اسی ایمانی شرارہ کو بجھانے پر صرف کی اس لئے کہ اس نے لادینیت کا لبادہ اوڑھا اور ایک سمجھے بوجھے منصوبے کے تحت اس کو ایک فلسفہ بنا کر نوجوانانِ اسلام کو پیش کیا اس کی مثال ایسے شہد جیسی ہے جس میں زہر ملا ہو اس فلسفہ میں ظاہری تابانیاں تو ضرور تھیں لیکن اس کا اندرون خالی بلکہ فساد سے بھرا تھا۔ اقبال نے کہا ہے ؎

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

چنانچہ محترم مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ اپنے کتابچہ "نیا طوفان اور اس کا مقابلہ" میں فرماتے ہیں کہ یہ حربہ اتنا کامیاب ثابت ہوا کہ ابتداءً تو محسوس ہی نہ کیا گیا کیوں کہ ارتداد کی وہ قسم جس میں کوئی شخص ایک فرقے سے الگ ہو کر دوسرے فرقہ میں شامل ہو جائے یہ شکل معروف تھی لیکن لادینیت کا معاملہ اس کے برخلاف ہے اور اس کے نقصانات بھی بہت عظیم ہیں اس کے نقصانات کو سامنے رکھتے ہوئے اقبال مرحوم کہتے ہیں ؎

لیکن از تہذیب لادینی گریز
زانکہ او با اہلِ دل دارد ستیز

مغربی تہذیب کی ظاہری تابانیوں کو دیکھ کر مشرقی ذہن نے مرعوبیت کا ثبوت دیا اور ان کو مفید و بہتر سمجھتے ہوئے اختیار کرنے کی کوشش کی اور خود اپنی خصوصیات سے ہاتھ دھو بیٹھا چنانچہ اس مرعوبیت کے نتیجہ میں جو ذہنی خلا پیدا اس کو مغرب ہی کے مسموم فلسفہ سے پر کیا گیا۔ فلسفہ بھی وہ جس کی بنیاد دینِ اسلام کے صریح خلاف۔ یہ فلسفہ ہمارے ذہنوں پر طبعاً اس طرح اثر انداز ہوا کہ اس نے یہ ذہنیت پیدا کر دی کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے بے حقیقت اور فرسودہ ہے۔ یعنی کوشش اہل اسلام کی نظروں میں اسلام کی قدر و قیمت کم کرنے کے لئے کی گئی تھی اس غرض کے تحت بقول علامہ شبلی کے تاریخ میں ایسی غیر محسوس دسیسہ کاری کی گئی کہ حقائق مسخ ہو جاتے اور مسلمانوں کے سامنے کوئی آئیڈیل نہ رہے اور وہ اپنے اسلاف کے کارناموں کی جانب سے تاریکی میں رہیں چنانچہ علامہ اقبال اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو

اس ذہنی انقلاب کے ساتھ ساتھ اسلامیت میں جاہلی عصبیت اور قوم پرستی کو رواج دینے کی کوشش کی گئی۔ یہ بھی ایک ایسی چیز ہے جو اسلام کے اصولوں سے ٹکراتی ہے۔ اسلام ایک عالمی دین ہے وہ کسی خاص قبیلہ، خاندان یا ملک کی دین نہیں ہے اس لئے اسلام کے ساتھ ان عصبیتوں کے قیام کا امکان ہی نہیں، چنانچہ اس کے متعلق محترمی مولانا ندوی مدظلہ اپنے مذکورہ مقالہ میں لکھتے ہیں "یہ اپنی ہمہ گیری، اپنی طاقت اور اپنے اثرات کی گہرائی و مضبوطی کے لحاظ سے بلاشبہ دین و مذہب کی حریف ہے اور اس کی گرفت انسان کی پوری زندگی پر ہوتی ہے اور جب کسی معاشرہ پر چھا جاتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی کوششوں اور کارناموں پر پانی پھیر جاتا ہے اور دین، عبادت اور چند رسوم و رواج کے دائرے میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔"

اس جاہلانہ عصبیت نے تو تاریخ میں وہ وہ گل کھلائے ہیں کہ ان پر انسانیت ہمیشہ خون کے آنسو بہاتی رہے گی گذشتہ سال بنگلا دیش میں بہاریت و بنگالیت کی کشمکش نے کیسا مذموم پارٹ ادا کیا! اس عصبیت ہی نے دنیا کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا جب کہ اسلام نے سب کو ایک ہونے کا پیغام دیا تھا چنانچہ کہیں ہندویت کا نعرہ ہے تو کہیں عربیت کی پکار ہے۔ کہیں کالے گورے کی کشمکش ہے، تو کہیں ایرانی تورانی کا انتشار ہے۔ جب کہ اسلام نے تعلیم یہ دی تھی کہ ؎

بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

قرآن نے تو اس عصبیت و قومیت پرستی کو جہالت قرار دیا ہے چنانچہ قرآن کہتا ہے:

"واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا"

(یعنی تم لوگ دشمن تھے لیکن خدا نے محض اپنے فضل و کرم سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا جب کہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک آگئے تھے) لیکن آج عصبیت ہمیں تقریباً تمام ممالک اسلامیہ میں یکساں طور پر ملتی ہے، باقاعدہ طور پر اس وقت سامنے

آئی جب کہ حکومت اسلامیہ کی جانب الگ ہو گئیں اور اس وقت القومیۃ العربیۃ اور العروبیۃ کا نام دے کر اسے خوب بڑھاوا دیا گیا بعض مصنفین نے تو اسے دین کے ہم پلہ بتایا بعض لوگوں نے کہا کہ اس کو دین پر کہیں زیادہ فوقیت حاصل ہے چنانچہ مولانا ندوی مدظلہ اپنی عربی کتاب "العرب والاسلام" کے مقدمہ میں علی ناصر الدین کی کتاب "قضیۃ العرب" کا حوالہ دیتے ہوئے یہ اقتباس نقل کرتے ہیں:

"القضیۃ العربیۃ لن تکون عند العربی المومن الحر العاقل الشریف الصالح الخیر الأبی المترفع الا قضیۃ ایمان، ایمان بالوطن للوطن کقضیۃ الایمان باللہ لیس علیہ"

(یعنی مسئلہ عربیت ایک مومن عقلمند کے نزدیک ایمان کے مسئلہ سے کم نہیں ہے بلکہ وطن پر ایمان لانا خدا پر ایمان لانے کے مرادف ہے):

ترکی میں اس عصبیت کا رد عمل کیا کم تھا بقول امیر شکیب ارسلان یہ کمالی انقلاب اسلام کے حق میں "ضربۃ قاضیۃ" یعنی خاتمہ کن۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو تہذیب جدید کی جتنی بنیادیں ہیں مثلاً الحاد، نظریہ افادیت، لذتیت ولبرلزم اور سکولرزم و نیشنلزم، جدلی عمل یا ڈارونزم سب کا نقطۂ آخر یہی عصبیت ہے جیسا کہ انیس الدین صاحب نے "اسلام ہی کیوں؟" میں بہ تفصیل واضح کیا ہے۔

مغربیت کا ایک اور تحفہ اخلاقی انتشار و پستی بھی ہے جس نے انسانیت کو حیوانیت کی سطح پر ڈال دیا ہے چنانچہ آج اخلاقی بے راہ روی محرمات الٰہیہ کا استخفاف اور فسق و فجور کا شیوع اس طرح مشرقی معاشرہ و تہذیب میں سرایت کرتا جا رہا ہے کہ پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور یہ چیزیں اسلامی اصول کے صریحاً خلاف بھی ہیں۔ اس کی ابتدا تو روحانیت سے مادیت کی طرف رجوع کرنے سے ہوتی ہے اور انتہا مذہب کے استخفاف و انکار پر ہوتی ہے اور انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں مختلف صورتوں میں مرتب ہوتے ہیں۔ فرد کو وہ روحانیت سے عاری اور مادیت کا پجاری بنا دیتی ہے انسانیت کی صفات اس سے جاتی رہتی ہیں اور صرف ظاہری تابانیاں باقی رہ جاتی ہیں۔ ہمدردی ختم اور درندگی پیدا ہو جاتی ہے۔

جو آنکھ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن
پرکار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

اخلاقی انحطاط کے اسباب میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر اخلاقی گراوٹ کی ایسی عقلی اور فلسفیانہ توجیہ کر دی جاتی ہے کہ انسانی شریعت میں اس کا جواز ہو جاتا ہے

معاشرے میں تو اخلاقی پستی اس طور پر اثر انداز ہوئی کہ اس نے معاشرے کے اہم ارکان میں تفریق پیدا کر دی بقول محمد اسد لیوپولڈ ویس "معاشرے کے اہم ارکان مرد و عورت ہیں ——

لیکن تہذیب مغرب نے آزادی اور ان جیسے ناموں کو اچھال کر عورت سے اس کی نسوانیت عفت اور عصمت چھین لی۔ وہ گھر کی زینت تھی اس کو سربازار بے عزت کیا گیا" اسلام نے تو عورت کو معاشرہ میں ایک اعلیٰ مقام عطا کیا تھا اور عزت و عظمت بخشی تھی اس طرح اخلاقی انتشار سے ایسا نقصان پہونچا جس کی تلافی نہیں ہو سکتی اس اخلاقی پستی کو عام کرنے کا مغرب نے ایک نیا اور انسانیت سوز حل سوچا ہے۔ وہ یہ کہ جس برائی کو ایسا اتفاق حاصل ہو جائے گا اس کا انسداد کرنا مشکل ہو تو اس کو جائز قرار دے دو چنانچہ ابھی چند سالوں پہلے ہی فرانس نے اسی طرح کا ایک اعلان کیا تھا جس میں جنسی اختلاط کی عام اجازت تھی۔ اس انتشار کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذہنی سکون و اطمینان جاتا رہا اور ایک عام اضطراب کی لہر دوڑ گئی کہ بظاہر ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہ جاں بلب انسانیت دم توڑ دے گی۔ لہٰذا اقبال جنھوں نے مغربی تہذیب کی خوب غواصی کی ہے اور اس کی رگ رگ سے واقف ہیں کہتے ہیں ؎

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

ایک جگہ اور تہذیب جدید کی شناعت کا ذکر کرتے ہیں ؎

شیوۂ تہذیبِ نو آدم دری است
پردۂ آدم دری سوداگری است

پھر دوسری جگہ کہتے ہیں کہ جس تہذیب کی بنیادیں بے دینی اور ظلم و جور پر ہوں اس کی عمر طویل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

یہ عیش فراواں یہ حکومت یہ تجارت
یہ وادیٔ ایمن نہیں شایانِ تجلی
ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جواں مرگ
شاید ہوں کلیسا کے یہودی متولی

بہرحال آپ جتنی گہرائی میں جائیں مشرقی و مغربی تہذیب میں اصولی اختلاف نظر آئے گا چنانچہ تصادم لازمی ہے اور اس کے خطرناک نتائج روز سامنے آ رہے ہیں لہٰذا اس قضیہ کی طرف مسلمانوں کو پہلی فرصت میں متوجہ ہونا چاہئے

بقیہ قرآن کا پیام

جا ہی ہوئی ہو تو ایسے جرم کی سزا سنگسار کرنا ہے۔

یعنی سزا اس جرم کی سارے ہی مجرموں کے لئے ہے، کوئی طبقہ اس سے مستثنیٰ نہیں۔

بہت سی قوموں میں اپنے کو مہذب کہلانے [illegible] ہیں جن کے ہاں حرام کاری جب تک کہ [illegible] قابل تعزیر ہی نہیں۔ بہت سی قوموں میں حرام کاری صرف شادی والوں کے لئے جرم ہے۔ [illegible] یہ کوئی جرم ہی نہیں۔ آیت ان سارے غلط نظریوں کی تردید کر رہی ہے۔

واللذان یاتیانہا منکم [illegible] کی طرف ہے یعنی کوئی بھی جوڑا جو حرام کا مرتکب ہو اس جرم کے مرتکب آگئے بجز ذا [illegible] مذکر ہے لیکن تغلیب ہے ایک مرد اور ایک عورت [illegible] ہے چنانچہ حنفیہ نے اس کو [illegible] (مرد) اور زانیہ (عورت) کا رکھا ہے۔ [illegible] البتہ لفظ کے معنی "دو مرد" [illegible] بلکہ لواطت سے سمجھا ہے۔ تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔

پہلی آیت کا تعلق صرف زانیہ سے اور دوسری کا زانی و زانیہ دونوں سے

فاذوھما اجراء سزا کا یہ حکم [illegible] حکام یا اہل حل و عقد کو ہے۔

(اجراء سزا کے بعد)

ان جرائم کی جو شرعی سزا ہے ان میں سزا کا نفاذ اسلامی حکومت میں ہر حال ضروری ہے۔

یعنی مجرم جب سزا بھی بھگت چکا اور اب تائب بھی ہے تو اب اس پر مزید طعن و ملامت وغیرہ [illegible] اسلام کا [illegible] مقصد [illegible] ذنوب پر قادر ہو اور کائنات کو ایک مشین کی طرح مکافات عمل کے ماتحت چلتا ہوا [illegible] اگر مغفرت پر قادر ہے جب بھی [illegible] آیت سے ہو گئی۔

منی آرڈر کوپن پر نام اور پتہ خوش خط تحریر کیجئے

(بقیہ وادی پرخار)

گرم گرم ریتوں اور پتھروں سے جل رہا ہے اور پیٹ پر گرم گرم لوہے کی سلاخیں ہیں مگر زبان پر سوائے احد احد کے اور کچھ نہیں آتا۔ صرف اسی کا تو بدلہ دیا جا رہا تھا کہ آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا تھا اور اس پر سختی ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہے۔ یہاں تک کہ دردناک سے دردناک سزائیں بھی ان کے قدم میں لغزش نہ ڈال سکیں۔

خود رسول اللہ کے مسلمانوں میں اس قسم کی ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں مثالیں ملیں گی جن سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ [illegible] کی جاں بازی اور سرفروشی نے نصف صدی کی مختصر سی مدت میں دنیا کے بیشتر ممالک میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیا ——

جب ہم آج اور کل کے مسلمانوں کی زندگی کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک اہم بنیادی فرق واضح طور پر نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کل کے مسلمان قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا کی مکمل تفسیر ہوا کرتے تھے اور آج ہم صرف قالوا ربنا اللہ کے دعویدار ہیں۔ استقلال و ثبات قدمی تو ایک عنقا اور نایاب شے ہے جس کو زندگی کے کسی شعبے میں بھی شائبہ تک نہیں ملتا۔ جب ہم کسی مصیبت میں دوچار ہوتے ہیں اور خدا کی راہ میں کوئی اذیت ہوتی ہے تو نہایت بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور فوراً قدم پیچھے ہٹا لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی دنیا کی سربراہی قیادت اور عزت کی نیک بختی و سعادت کا خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان گرامی اسلموا تسلموا [illegible] فی الآخرۃ کا مصداق بننے کے لئے صبر و استقامت شرط اولین ہے۔

اسی فرمان پر عمل کرنے ہی کا نتیجہ تو تھا کہ صحابہ کرامؓ اپنی قلت تعداد کے باوجود بھی نصف کرۂ ارض پر بادل کی طرح چھا گئے اور قیصر و کسریٰ کا پندار خاک میں ملا دیا۔ اولو العزمی اور بلند ہمتی کے ساتھ آگے بڑھے اور دنیا کی قسمت کے مالک بن گئے، لیکن آج ہم اپنی کثرت تعداد کے باوجود بھی زندگی کے ہر شعبہ میں ناکام و نامراد ہیں۔

بنی نوع انسان کا قافلہ تیزی کے ساتھ اپنی منزلیں طے کر رہا ہے اور ہم خواب غفلت میں سرشار ہیں۔ دوں ہمتی اور سستی و کاہلی سے باطل طاقتوں کو سالار کارواں بنا کر اپنی باعظمت اپنی ذلت کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے زندگی کے ہر میدان میں فلاح و ترقی کی نئی نئی منزلیں طے کیں، اور ہر محاذ پر باطل طاقتوں کو شکست فاش دیا تھا اور آج ہم کفار و مشرکین کے سامنے مجبور و بے بس ہو گئے ہیں کوئی ایسا کارنامہ نہیں جس کو ہم آج فخر و مباہات کے ساتھ دنیا کے سامنے بیان کر سکیں۔ اقتصادیات و سیاسیات، سائنس و ٹکنالوجی، اکتشافات و ایجادات، علوم و فنون، فوجی طاقت و قوت غرض کہ کسی بھی میدان میں کوئی نمایاں کامیابی نہیں جس سے ہم اپنا سر اونچا کر سکیں۔ آخر قرون اولیٰ اور بیسویں صدی کے مسلمانوں میں اتنا زبردست اور نمایاں فرق کیوں ہے؟ سوائے اس کے اور کیا جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ جوش و ولولہ اور پوری لگن کے ساتھ کام کرتے رہے اور ہم سستی و کاہلی کے شکار ہیں۔ ہمارے دلوں میں وہ عزم وہ حوصلہ نہیں جس نے ہمارے اسلاف کے دلوں میں اسلامی قیادت کی روح پھونک دی تھی اور ساری دنیا سے اپنی صلاحیت اور طاقت کا لوہا منوا لیا تھا۔

بقیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کو دیدوں تو یہ میری سب سے بڑی بدنصیبی ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی مجھے جگہ نہ ملے گی۔

لیکن میرا خیال یہ ہے کہ قیصر و کسریٰ کے بعد اب کوئی جگہ فتح کرنے کو باقی نہیں رہ جاتی ہے جہاں سے اتنا مال غنیمت ہاتھ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال و زر و زمین کا ہمیں مالک بنا دیا ہے اس میں سے میں نے منقولہ اشیاء کو سپاہیوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اور اس میں سے خمس بھی نکال لیا ہے لیکن زمینوں کے بارے میں میرا خیال ہے کہ انھیں میدان میں کام کرنے والوں کو دے دوں یعنی زمین ان کے مالکوں کے پاس رہنے دی جائیں اور ان پر جزیہ و ٹیکس مقرر کر دیا جائے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو روپیہ اس سے وصول ہوگا اسے رفاہ عام پر خرچ کیا جائے گا اور جو لوگ ہمارے بعد آئیں گے وہ بھی اس سے فائدہ حاصل کریں گے۔ تمھیں پتا ہو کہ یہ بڑے بڑے شہر مثلاً شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ اور مصر وغیرہ ابھی جلد ہی فتح ہوئے ہیں۔ سرحدوں پر بھی خطرہ ہے اس حالت میں شہروں میں سپاہیوں کو مقرر کرنا اور سرحدوں کو مضبوط بنانا بے حد ضروری ہے اور جو لوگ وہاں بھیجے جائیں گے انھیں اچھی تنخواہ بھی دینا ضروری ہے تاکہ وہ دل لگا کر کام کریں۔ اب اگر میں زمینوں کو ان کے درمیان تقسیم کر دوں تو انھیں تنخواہ کہاں سے دوں گا۔ جب صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کی اس تقریر کو سنا تو انھوں نے فرمایا کہ امیر المومنین آپ کی رائے ٹھیک ہے۔ وہ سب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے موافق ہو گئے ان موافقت کرنے والوں میں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ و طلحہؓ و ابن زبیرؓ اور انصار کے بڑے بڑے صحابہؓ تھے۔

اس مسئلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصوص کے سمجھنے میں ایسا طریقہ اختیار کیا جو مصلحت سے زیادہ موافق تھا اور انھوں نے اپنی رائے کی تائید بہت سے صحابہؓ سے کرائی۔

اب ہمیں یہ سوچنا اور غور کرنا چاہئے کہ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نص قرآنی کو بیکار و معطل کر دیا تھا۔ کیا وہ ایسا کبھی کر سکتے تھے؟ .... نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ یہاں یہ شکل سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتی ہے بلکہ ایک کے فہم و سمجھ کو دوسرے کے فہم و سمجھ پر ترجیح دی ہے اسی طرح ایک مجتہد کرتا ہے کہ وہ نص کے ظاہر اور روح دونوں کا لحاظ رکھتا ہے لیکن اگر ظاہر نص روح نص کے مخالف ہے اور دونوں کے درمیان تطبیق دینا مشکل ہے تو مجتہد کے لئے عیب کی بات نہیں ہے کہ روح نص کو ظاہر پر ترجیح دے۔ اس سلسلے میں ہمارے لئے حضرت عمرؓ کی شخصیت ایک نمونہ ہے۔

اسی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ یا صحابہ کرامؓ نے نص کو معطل نہیں کیا بلکہ روح شریعت کو سمجھ کر اسی پر فیصلہ کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی طرح سے اور بہت سے اجتہادات ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نص پر پوری امانت داری و اخلاص کے ساتھ عمل کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے بھی مصلحت عامہ کا بہت زیادہ لحاظ کیا ہے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مصلحت عامہ کی بہت زیادہ رعایت کرتے تھے لیکن اس کے باوجود یہ کہنا کہ انھوں نے رائے و قیاس کو نص پر ترجیح دی ہے یہ غلط ہے اور افترا پردازی ہے اور بہت بڑا بہتان ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت جلیلہ و خفیہ نازل فرمائے اور تمام مسلمین کی طرف سے انھیں اجر عطا فرمائے۔

بقیہ (اداریہ)

نام پر نعرہ لگانے لگے تھے، یہ فرمایا کہ اس کو چھوڑو یہ بڑی گندی بات ہے۔"

اس دعوت کی اساس عقیدہ میں توحید پر، اجتماعی زندگی میں انسانیت کے احترام اور مساوات پر، اخلاقیات کے شعبہ میں تقویٰ، حیا اور تواضع پر، میدان عمل میں آخرت کے لئے جد وجہد اور جہاد و قربانی پر، میدان جنگ میں شجاعت کے ساتھ رحم دلی اور شفقت پر، اور انتظام حکومت کے دائرے میں ہدایت کے پہلو کو مالیات و آمدنی پر ترجیح دینے، اور خدمت لینے کے بجائے خدمت کرنے اور نفع اٹھانے کے بجائے نفع پہونچانے پر ہے۔

یہ انسانیت کی سنجیدہ اور مخلصانہ خدمت، اور جاہلیت کے حملوں، اور گمراہ کن و تخریبی تحریکوں سے اس کی حفاظت میں پوری تاریخ میں ممتاز ہے، اور ساری دنیا میں اس کے حسین و جمیل آثار و نقوش قائم و دائم، اور ہر جگہ اس کی خیر و برکت عام ہے۔

یہ بچے کے ساتھ دشمنی ہے

ماں اور بچے میں بڑا معصوم گہرا اور عجیب رشتہ ہوتا ہے، اس کا تعلق عقل سے کم اور جذبات سے زیادہ ہوتا ہے۔ جذبات کی شدت بچے کی نفسیات پر گہرا اثر ڈالتا ہے اور اس کے لاشعور پر ایسے نشانات بنا دیتا ہے جو بعض حالات میں عمر بھر نہیں مٹتے یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ لاشعور میں شعور سے زیادہ جذب اور قبول کی طاقت ہے اسی لئے عام طور پر حاملہ عورتوں کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے خیالات و احساسات کو پاک رکھیں غصہ اور چڑچڑے پن کو پاس نہ آنے دیں، غمگین نہ رہیں، فکر نہ کریں، ٹھنڈے مزاج سے کام لیں اور ایسے کام اور طریقوں کی پابندی کریں جو صحت کے لئے ضروری ہیں۔ اس سے یہ فائدہ اٹھانا مقصود ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں پروان چڑھنے والا بچہ لاشعوری طور پر ایک بھلا انسان بننے کی کوشش کرے۔

فرانس کے مشہور فلسفی روسو کا خیال ہے کہ بچہ ۵ سال کی عمر میں بالغ ہو جاتا ہے اور اس کے لاشعور میں بنے ہوئے سنگ کے ارادے اور منصوبے اتنے پکے ہو جاتے ہیں کہ باہر کا کوئی اثر انھیں بدل نہیں سکتا۔ اس لئے ایک اچھی ماں کا فرض ہے کہ وہ شروع ہی سے بچے کی زندگی کو قاعدے قانون اور پروگرام کے مطابق گزارنے کی کوشش کرے، دودھ کا وقت مقرر ہو، لگے بندھے اوقات کے علاوہ اسے غذا نہ دی جائے اگر غذا وقت بے وقت دی گئی تو خوف ہے کہ بچے کا ہاضمہ خراب ہو جائے گا اور اس میں کسی سختی کے سہنے اور صبر کرنے کی قوت باقی نہ رہ سکے گی۔ کھانے کا وقت مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ بچے کے سونے کا بھی وقت مقرر ہونا چاہئے، بچے کو گود میں سلانا، یا اپنے پہلو میں لٹانا، ان جانے طور پر بچے کو سہارے کا عادی بنا دیتا ہے۔ بعد کو ایسا بچہ اپنی زندگی میں سہارے ڈھونڈتا رہتا ہے اور خود اعتمادی کی نعمت سے محروم رہ جاتا ہے۔

جب بچہ کسی قدر بڑا ہو جائے تو اسے معقول حد تک آزادی ملنا چاہئے ہر بات میں پابندی لگانے سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ بچے کی فطری صلاحیتیں ابھر نہیں پاتیں۔

ماں باپ اور بزرگوں کو اس بات کی احتیاط کرنی چاہئے کہ بچے کے سامنے کوئی ڈراؤنی خبر نہ سنائی جائے اس سے بچے کے دماغ کو جھٹکا لگتا ہے۔ اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ بچوں سے کمزوری باتیں بھی نہ کرنا چاہئے۔ ورنہ بچوں میں بات بات پر بگڑنے اور جھنجھلانے کی عادت بن جاتی ہے جن گھروں میں لوگ بار بار لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں وہاں بچوں میں خود بخود ترشی اور جھنجھلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ بچے کی عمدہ اٹھان کے لئے پیار و محبت کی فضا، ہنسی خوشی کا ماحول، ہمدردی اور باہمی میل ملاپ کے طریقے ضروری ہیں۔

بچے کہانیاں سننے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں ان کے اس شوق سے ان کے کردار کی تعمیر میں کام لیا جا سکتا ہے اگر ماں کہانی کی شکل میں بچے کے سامنے ایک مثالی انسان کی تصویر پیش کر سکے تو بچہ اس مثالی انسان کے نمونہ پر چلنا چاہے گا۔ اچھی مائیں ہمیشہ بچوں کو دینی بزرگوں اور تاریخی شخصیتوں کی کہانیاں سنایا کرتی ہیں تاکہ بچے ان مثالی بزرگوں یا شخصیتوں جیسا بننے کی کوشش کریں گے۔

حقیقتاً ماں بننا بڑا مشکل کام ہے۔ ماں کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں، ماں کی آغوش محبت میں پل کر ملک و ملت کے رہنما پیدا ہوتے ہیں، تو ماں کی گود ہی سے چور، اچکے اور ڈاکو بھی پیدا ہوتے ہیں۔ آپ نے وہ کہانی سنی ہوگی کہ ایک ڈاکو کو سزائے موت ملی۔ جب حاکم نے اس سے آخری خواہش کی بابت پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے اپنی ماں سے ملاقات کا موقع دیا جائے۔ حاکم نے مجرم کی ماں کو بلوا دیا جب اس کی ماں آئی تو اس شخص نے اس کے کان میں کوئی بات کہنے کی اجازت چاہی جونہی ماں نے کان قریب کیا اس شخص نے ماں کا کان کاٹ لیا۔ لوگوں نے اس سے اس حرکت پر بڑی ملامت کی۔ مجرم نے کہا میرے جرم کی ذمہ دار میری ماں ہے اگر اس نے بچپن میں میری چھوٹی چھوٹی چوریوں پر مجھے روکا ہوتا تو میں اتنا بڑا ڈاکو نہیں بنتا۔

آپ نے حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کی کہانی بھی سنی ہوگی کہ جب وہ چودہ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ نے انھیں تعلیم کے لئے بغداد بھیجا۔ چلتے وقت ماں نے بیٹے کی صدری میں چالیس اشرفیاں سی دیں تاکہ راستے میں [illegible] کام آئیں اور بغداد پہونچ کر بچے کو خرچ کی تکلیف نہ ہو۔ راستے میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے اس قافلہ پر حملہ کر دیا جس میں عبدالقادر بھی تھے ڈاکوؤں کا سردار عبدالقادر کی طرف متوجہ ہوا اس نے آپ سے پوچھا اے لڑکے تیرے پاس کیا ہے۔ حضرت عبدالقادر نے جواب دیا کہ میرے پاس ۴۰ اشرفیاں ہیں۔ ڈاکو نے ان کی تلاشی لی۔ اشرفیوں کا کہیں پتہ نہ چلا۔ ڈاکو نے آپ سے پوچھا اشرفیاں کہاں ہیں۔ آپ نے جواب دیا، میری صدری میں۔ ڈاکو نے صدری کو ٹٹولا، تو اس میں اشرفیاں ملیں۔ ڈاکو نے دل میں سوچا کہ اگر لڑکا نہ بتاتا کہ اشرفیاں اس کی صدری میں سلی ہوئی ہیں تو اشرفیاں اسے ہرگز نہ مل سکتی تھیں۔ تب اس نے لڑکے سے پوچھا کہ تم نے یہ بات چھپائی کیوں نہیں کہ تمہارے پاس اشرفیاں ہیں۔ اگر تم نہ بتاتے کہ اشرفیاں تمہاری صدری میں سلی ہوئی ہیں تو ہمیں پتہ بھی نہ چلتا اور تمہاری اشرفیاں بچ جاتیں۔ لڑکے نے جواب دیا، میری ماں نے مجھے سکھایا ہے کہ جھوٹ بولنا پاپ ہے میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ تم نے پوچھا اشرفیاں کہاں ہیں۔ میں نے بتا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ڈاکو پر عبدالقادر کی بات کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے اسی دن چوری کرنے سے توبہ کر لی۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بچے گھر میں کھانے پینے کی چیزیں چوری چھپے کھا لیتے ہیں۔ ان کی یہ حرکت نظر انداز نہ کرنی چاہئے بلکہ پوری حکمت سے اسے روکنا چاہئے۔ یہ خیال ضرور رکھنا چاہئے کہ مار پیٹ کا اثر اچھا نہیں ہوتا۔ بہتر یہ ہے کہ بچے کو اس کام سے نفرت دلائی جائے اس کے اندر چھپے ہوئے انسان کو جگایا جائے اس سے کہا جائے کہ بیٹے تم نے یہ کام بہت غلط کیا ہے۔ تم تو بہت اونچے آدمی ہو۔ یہ حرکت تمہاری شان کے خلاف ہے۔ اگر تم نے پھر ایسا کیا تو لوگ تمہارے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔

ماں کا فرض ہے کہ بچے کو اپنے اوپر اعتماد کرنے والا، محنت کرنے والا اور مایوس نہ ہونے والا بنا کر اٹھائے۔ ماں کو چاہئے کہ بچے کو اس طرح پرورش کرے کہ وہ اپنے مستقبل کا معمار اور ملک و ملت کے لئے ایک مفید شہری بنے۔ بچے سے محبت کی حد ہوتی ہیں۔ ماں کو خیال رکھنا چاہئے کہ اس کا لاڈ پیار بچے کے کردار کی نشوونما میں آڑے نہ آنے پائے اور ایسا نہ ہو کہ اس کی چاہت اور محبت بچے کے کردار کو کچل دے۔ اس طرح کی محبت، محبت نہیں، بچے کے ساتھ دشمنی ہے۔